उर्दू संग्रह

पुस्तक का नाम दयानन्द आनन्द सागर
मज़लूम कविता में

लेखक चम्पत राये साहिक M.A.

प्रकाशन वर्ष ....

आगत संख्या 1587 ....

اوم

دیانند آساگر

منظوم

Champat Rai

چمپت رائے - ایم اے

Champat Rai M.A.

قیمت

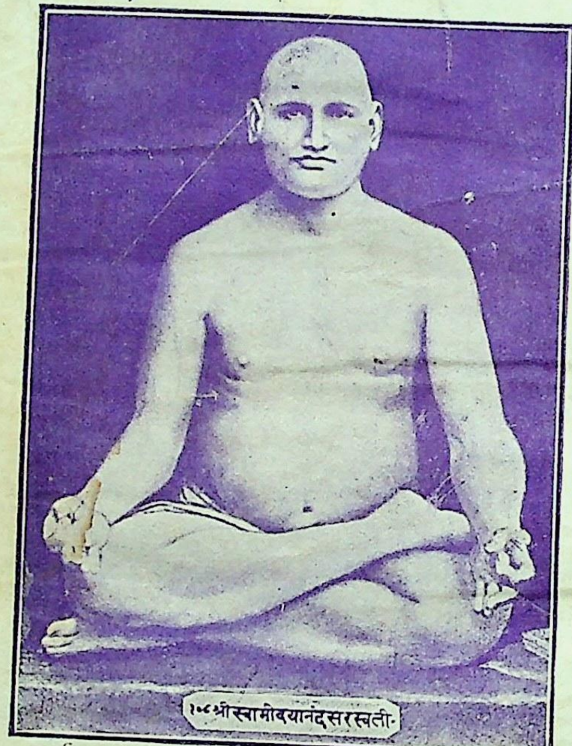
Rai + Son

فہرست مضامین

Indeed a very good and strong lesson.

दयानन्द आनन्द सागर

1587



१०८ श्रीस्वामीदयानंदसरस्वती

चमूपति एम. ए.

ओ३म

دیانند ساگر

یعنی

رشی دیانند کے حالات منظوم

مصنفہ

چیت رائے صادق ایم اے

کاشی رام سٹیم پریس لاہور میں

باہتمام لالہ کاشی رام

چھپکر شائع ہوا

قیمت فی کاپی ۶ر

مصنف کی دو دو باتیں

۱- اعتراف سے -

جب سے دیانند میں عقیدت ہوئی تبھی سے طبیعت نے چین پایا۔ آج کل کے مذہبی بھنور سے اعتقاد کی کشتی صحیح و سلامت نکال اور نجات کے کنارے تک پہنچانا ایک ایسے باخدا ناخدا کی امداد کے بغیر ناممکن ہے۔ اب جب کبھی روحانی گرانی ہوتی ہے۔ اس سرور کے سرچشمے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پنڈت گرودت کی طرح ہم یہ کہنے کی ہمت نہیں رکھتے کہ دیانند کی زندگی کو ہم اپنی زندگی میں ثبت کر رہے ہیں۔ البتہ خیال سے ہر قدم پر اس کا عکس ہر لمحہ موجود رہتا ہے اور طبیعت کو اس کی تجلّی سے گونہ تنویر حاصل ہے۔ دنیا کا کوئی مرحلہ نہیں۔ جس میں اس رہنمائے کامل کے کارناموں سے ہدایت حاصل نہ ہو۔ عقبےٰ کا کوئی معمّا نہیں۔ جو اس پیشوائے کامل کی ہدایت سے حل نہ ہو جائے۔ اس رہنما کی خوبی یہ ہے کہ رہرو کو خود اپنا رہنما بنا دیتا ہے۔

آریہ سماج کے اخبارات اپنے خاص نمبروں کے لئے رشی کی شان میں نظمیں طلب کرتے تھے۔ خیال تھا۔ کہ رفتہ رفتہ سوامی کی زندگی کے سب واقعات اس طرح نظم ہو جائینگے۔ مگر ان نظموں کے اوزان مختلف۔ بحریں جدا۔ مسلسل کہانی مرتب نہ ہو سکی۔ ڈی اے وی کالج کے پروفیسر شری دیوان چند جی ایم اے نے خیال سجھایا۔ کہ سوامی کے حالات مسلسل نظم میں قلم بند کر دو۔ بات تھی اڑ گئی۔ خیال تھا جم گیا۔ یکایک طبیعت میں ابال آیا۔ اور اس وقت تک تسکین نہ ہوئی۔ جب تک یہ اوراق مکمل نہ ہو گئے۔ تقریباً ایک ماہ اس ادھیڑ بن میں رہے۔ بارے عقیدت کا قرض ادا ہوا۔ محبت کے سر سے بوجھ اترا۔ ان اوراق میں کوئی حلاوت ہے۔ مسرت ہے۔ سرور ہے۔ دقیقہ دانی نہیں

اس کی چاشنی پائیں گے ۔

سوامی کی شان میں جو نظمیں اخبارات کے خاص نمبروں میں نکلی تھیں۔ انہیں ضمیمہ کے طور پر اس کتاب کے آخر میں لگا دیا ہے ۔

۲۔ اہل عروض سے۔

عبارت بالا کے پہلے مسودے کے آخر میں ۱۱ جولائی ۱۹۱۹ء تاریخ درج ہے۔ اس کے بعد کتاب طبع ہونے کے لئے لاہور بھیج دی گئی۔ نظر ثانی کا مختصر موقعہ ملا۔ ابتدائی تصنیف کے بعد کچھ مدت مصنف کی نظر کے قریب سے کتابیں کئی بار کانٹ چھانٹ ہوتی ہے۔ جس سے عبارت کی ناہمواری۔ الفاظ کی درشت بندش۔ عروض کی اغلاط درست ہوتی رہتی ہیں۔ دیانند آنند ساگر کی چاہ میرے دوستوں کو اس قدر تھی۔ کہ لکھے جانے کے بعد ایک ماہ بھی میرے پاس نہیں رہنے دیا۔ اس لئے اگر زبان یا عروض کے لحاظ سے کوئی خامی رہی ہو تو نقاد ان سخن نظر کرم اغماض فرمائیں گے۔ اور مصنف کو اطلاع دے کر آئندہ اصلاح کے ساتھ شکریہ پائیں گے ۔

اہل عروض کا اعتراض کہیں کہیں کچے قافیوں پر ہوگا۔ اردو فارسی نظم کی خصوصیت اس کے مکمل قافئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ پورا قافیہ شعر میں ایک انوکھی لذت پیدا کرتا ہے۔ مگر اس کا التزام ایک ایسی کاوش کا موجب ہے۔ جو کبھی کبھی نہایت رنگین اور نازک معانی کے خون کا باعث ہوتی ہے۔ اردو والے بلینک ورس کی طرف متوجہ ہوئے تھے مگر اب خیال جاتا رہا۔ سنسکرت میں ہر قسم کے مضامین نظم میں ادا ہو جانے کا باعث یہ ہے کہ اس میں قافئے کی قید نہیں۔ انگریزی میں بلینک ورس نے تو قافئے کو اڑا ہی دیا ہے اور جو قافیہ موجود ہے۔ وہ سن کو دن کا ہم قافیہ ٹھیراتا ہے۔ عروضی موزونیت کا نقص سہی۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ان زبانوں میں سچی شاعری نہیں۔ شعر قلبی جذبات کی تصویر ہے۔ اگر وزن کا پابند ہو جائے۔ تو موزون ہو جاتا ہے۔ مقفیٰ ہونے سے اور خوبصورتی بڑھ جاتی ہے۔ تاہم یہ کیا۔ کہ قافیہ ادھورا ہونے کے جرم میں شاعر شاعری کے ملک سے

ہی جلا وطن کیا جائے۔ مثلاً ہم نے سِن کا قافیہ پُوجن باندھا ہے۔

جو چودہ برس کا ہوا مُول کا سِن — سکھایا گیا اُن کو شِوجی کا پُوجن

بدلنے کو تو پہلا مصرعہ یُوں بدل دیتے

جو چودہ برس کا ہوا بھولا بچپن — سکھایا گیا مُول کو شِو کا پُوجن

مگر پہلے ہی شعر پر اعتراض کا کیا موقع ہے؟

علیٰ ہذا القیاس لنگوٹی کا قافیہ کسوٹی سے باندھا گیا ہے۔

یہاں پیٹ بھرنے کو روٹی نہیں ہے — کوئی جھوٹ سچ کی کسوٹی نہیں ہے

بدلنے کو تو دوسرا مصرعہ یوں لکھ دیتے ع

بدن ڈھانکنے کو لنگوٹی نہیں ہے۔

مگر ضرورت؟ ایسے ہی دیگر مقامات پہ خیال کر لینا چاہیے "ڈونا" کا قافیہ "مانگا" تو اساتذہ بھی باندھتے ہیں۔

اگر اُردو شعرا کو یہ آزادی ناگوار ہی رہی۔ تو ہم دوسرے ایڈیشن میں الٹ بدل کر دیں گے۔

۳۔ اہلِ زبان سے

ہماری زبان کے شاکی ادھر آریہ احباب ہیں۔ اُدھر اُردو خوان احباب۔ آریہ احباب چاہتے ہیں کہ کل لغات ہندی ہوں۔ بالخصوص دھرم کی لغات شُدھ آریہ بھاشا ہی کی ہوں۔ کوئی کتاب اُردو میں لکھے۔ تو اس کی کتابت اُردو میں ہو۔ الفاظ بھاشا کے رہیں۔ اُردو خوان چاہتے ہیں کہ کُل ہی فارسی ہو۔

ہم اس زبانی جھگڑے کو غلط فہمی کا جھگڑا سمجھتے ہیں۔ ہندوؤں کی مذہبی ضروریات ان کو سنسکرت کا محتاج رکھیں گی۔ اور جو ہندو سنسکرت نہیں پڑھتا وہ پُورا ہندو نہیں۔ تاہم ہماری بول چال ایک ایسی زبان میں ہوتی ہے۔ جسے ہندی خوان ہندی یا آریہ بھاشا کہتے ہیں۔ اور اُردو خوان اُردو۔ کتابت کی دیوار

اس قدر مضبوط ہے۔ کہ دونوں زبانیں اصل میں ایک ہوتے ہوئے بھی مختلف ہیں۔ اس میں کسی شک نہیں کہ ناگری کتابت کی خصوصیتیں اسی طرز کتابت کے ساتھ ہیں۔ یہ خوبیاں کسی اور طرز خط نے نہیں پائیں۔ اُردو حروف کو جامع حروف بنانے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً ڑ اور ڈ وغیرہ حرف جو فارسی میں نہ تھے۔ ہندی سے لے لئے گئے ہیں۔ اور اگرچہ کئی زائد حروف مثلاً ایک ہی آواز کے لئے س۔ ث۔ ص تین مختلف حروف کا قائم رکھنا پڑھنے والے کے لئے سخت رکاوٹ ہے۔ تحریر کی رہنما تقریر نہیں ہو سکتی۔ کوئی "اصرار" کو "اسرار" لکھ دے تو غلط ہو جاتا ہے۔ اور اس س۔ ص۔ ث۔ کی تمیز کے لئے بہت قوت ذہن و اخذ خرچ ہوتی ہے۔ تاہم اکثر آوازوں کا جو ہندوستانیوں کے گلے سے نکل سکتی ہیں۔ اُردو۔ الف۔ بے میں جمع ہو جانا ایک خوبی ہے۔ اور یہ خوبی آریہ بھاشا یا ہندی میں بھی موجود ہے۔

حروف کے نام اور ہیں۔ آوازیں اور یہ نقص ہے۔ مثلاً اکو جو فقط ا ہے۔ الف کہنا اس میں ل اور ف بڑھانا ہے۔ اس سے بھی مبتدی کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکتا۔ کہ الف اور بے مل کر ا ب کیسے ہو جاتا ہے چاہئے تو الفبے بننا۔ تاہم اُردو خوانان کو سکھایا جا سکتا ہے۔ کہ اپنے حروف کے نام بدل دو ناگری میں آ کو آ کہا جاتا ہے۔ ب کو ب۔ جس سے نیچے کو حروف ملانے میں دقت نہیں ہوتی۔ اور حروف کی ترتیب مخرج وار کر دینے سے ایک اور سہولیت پیدا کی گئی ہے جو علم زبان کے ماہر سمجھتے اور سراہتے ہیں۔ حروف سیکھنے سکھانے کی ایک سائنس ہے اور ناگری ابجد کے واضع اس سے اچھی طرح واقف تھے۔

اُردو طرز خط کا سب سے بڑا عیب وہ ہے۔ جس کی سید علی بلگرامی نے اپنی کتاب تمدن عرب کے دیباچے میں شکایت کی ہے۔ وہ اعراب کا حروف سے الگ ہونا ہے۔ زیر زبر۔ پیش سکون الفاظ کا حصہ نہیں بنتے۔ جیسے بھاشا میں بنتے ہیں۔ انگریزی کے اعراب

بھی حروف ہیں۔ جس سے ثقالت پیدا ہوتی ہے۔ بھاشا میں اعراب نشانیاں ہیں مگر انہیں منظ
میں داخل کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ حذف نہیں کیجا سکتیں۔ اردو خوانان کا تلفظ درست نہیں
ہو سکتی۔ ایک وجہ یہ ہے کہ انہیں لفظ مکمل نہیں ملتے۔ سوائے اردو قاعدہ کے آریہ
میں آپ کو اعراب پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔ باقاعدہ تعلیم یافتوں کا تلفظ غلط ہو کیا یہ

اردو میں لفظ کا پہلا حرف ساکن ہو ہی نہیں سکتا۔ بھاشا میں ہوتے ہیں۔ مثلاً پربھو
اس میں پ متحرک نہیں۔ ر ہے۔ اردو میں یہ لفظ لکھا ہی نہیں جا سکتا اور ایسے لاکھوں لفظ ہیں

اردو طرز خط سے بھاشا طرز خط عمدہ ہے۔ مفید ہے باقاعدہ ہے۔ اور بنگالی، مرہٹی
گجراتی، گورمکھی، ان سب زبانوں کی کتابت ناگری کتابت کا غذیا لگا ہے۔ اس لئے ان صوبوں
کے لوگوں کے لئے ناگری پڑھنا نئی زبان کا پڑھنا نہیں۔ ہندوستان کے اکثر صوبوں نے
گرویدہ کئے ہوئے ہیں۔ اور مہاتما گاندھی جیسے محب قوم و ملک کا اس زبان کو ملک کے لئے
اپنانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس خط کو ہندوستانی خط کہنا ہے۔ مسلمان متعصب نہیں۔ مسلمانوں
کی مذہبی کتب اس خط میں لکھی جا سکتی ہیں۔ مگر ہندوؤں کی مذہبی کتب فارسی طرز خط کو قبول نہیں
کرتیں۔ اور مذہب کی نگہداشت دونوں قوموں کے لئے ضروری ہے۔ اور یہ خیال بھی ضروری
خیال ہے۔ کہ طرز خط کے بدلنے سے مذہب نہیں بدلتا۔ وید وید رہتا ہے۔ چاہے اس کو کسی خط
میں درج ہو۔ شرط یہ ہے کہ اس خط میں اس کی آوازیں ظاہر ہو جائیں۔ اسی طرح قرآن قرآن ہے
چاہے اس کی کتابت کسی خط کی ہو۔ آوازیں وہی ہوں۔ زبان عربی ہو۔ موجودہ انگریزی
ترجموں میں قرآن کی آیتیں رومن حروف میں لکھی جاتی ہیں۔ اور وہ بھی اگر ٹھیک طرح
پڑھی جا سکتی ہوں۔ تو قرآن ہی کی آیتیں ہیں ٭

کچھ ہو۔ ہم نے اپنی کتاب اردو خط میں طبع کرائی ہے۔ اور فی الحال ہم نہیں بتانا
چاہتے۔ کہ ہم نے ایسا کیوں کیا؟ ہم اپنی زبان کے متعلق چند الفاظ لکھیں گے ٭

ہم نے اوپر ظاہر کیا ہے۔ کہ اردو ہندی ایک ہیں۔ کڑی عربی اور کڑی فارسی الفاظ

خوانوں کی سمجھ میں نہیں آتی - تو ہندی خوانوں کی سمجھ میں کیا آئیگی - ایسے ہی اگر ہم سنسکرت لغات ہندی خوان نہیں سمجھ سکتے - تو اردو خوان نہیں کیا سمجھینگے - بہ سلطنت اردو اور سادہ آریہ بھاشا ایک ہیں - ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتفاق میں سب سے مضبوط کڑی ایک زبان ہوگی - فی الحال انکی طرز خط ایک نہیں ہو سکتی - تو دونوں کا یہ فرض ضرور ہے کہ دونوں زبانوں کے طرز خط سیکھیں - ہندو بیشک ہندی ہی لکھا کریں - مگر اردو پڑھنا ضرور سیکھیں - اور مسلمان اردو ہی کا استعمال کیا کریں مگر ہندی کا پڑھنا ضرور سیکھیں - اگر انگریزی اختیار کر کے انگریزی پڑھنا ضروری ہے - تو ہندوستانی ملی جلی ہندوستانی زبانوں کا سیکھنا بھی ضروری ہے - آج کل اردو ہندی کی لڑائی ناواقفوں کی لڑائی ہے - جس قدر زور اردو ہندی کو نہ جانکر طرفین ایک دوسرے کی تردید میں خرچ کرتے ہیں - وہ دونوں زبانوں کے سیکھنے میں خرچ کیا جائے تو کام چل جائیگا - تعصب کم ہو جائیگا اور دونوں زبانوں کے حسن و قبح سے واقف ہو کر فیصلہ بھی کیا جا سکیگا کہ آئندہ ہندوستان کی زبان کیا ہو ٭

ہماری یہ کتاب اردو خط ہی میں نہیں - اردو زبان میں بھی ہے - یہ ہندو مسلمانوں دونو کیلئے لکھی گئی ہے کیونکہ دیانند جتنا ہندوؤں کا تھا - اتنا مسلمانوں کا تھا - سر سید احمد کی نسبت سید محمد تحصیلدار کی تحقیق - ڈاکٹر رحیم اللہ خان کی خیرخواہی ظاہر کرتی ہیں کہ جیتے جاگتے مسلمانوں کو کیا تحفہ تھی مسلمان کہتے ہیں اردو مسلمانوں کی زبان نہیں ہندوؤں کی بھی ہے - جو آئندہ ہندو گھر والوں میں بولی جاتی ہے - اس میں فارسی اور سنسکرت کی آمیزش زیادہ ہے - ہم تشریف رکھیے کا کم کہتے ہیں ہم بیراجئے کا زیادہ کہتے ہیں خصوصاً گھر والوں کی بولیاں - اور جب مضمون ہی الہامی مذہبی رہبر کے حالات زندگی ہوں - اس میں ہندو لغات کا درج ہونا مناسب ہی نہیں ضروری ہے ان کے سوا مضمون اپنی اصلیت سے بعید ہو جاتا ہے - اردو خوانوں کو اس لئے بھی کان میں یہ ڈالنا ہے کہ ہندو اردو بولتے ہیں انکی صحیح ثابت ہے - ان لغات کا اپنانا ضروری ہے ٭

ہمارے مضمون اور سیرت میں جو اغلاط و اضافات ہونگے - ناظرین ہم کو انکی اطلاع دینگے تو ہم انکی تصحیح کرینگے - اور ہمیشہ اصلاح کیلئے مستعد ہونگے - ۳۰ ستمبر ۱۹۱۹ء ٭

چمپت راے

انسانیت کا نغمہ

بڑے آدمی کسی خیال کی تصویر ہوتے ہیں۔ سکھ گورو نانک کو جس جذبے سے پوجتے ہیں۔ گورو گوبند سنگھ کی ذات سے وہ خیال وابستہ نہیں۔ ایک عبادت مجسم ہے۔ دوسرا غیرت مجسم۔ گورو نانک کو ہم وحدت کا نغمہ کہہ سکتے ہیں۔ گورو گوبند سنگھ کو شجاعت کا نعرہ۔

خداوند مسیح مسیحائی کا خداوند ہے۔ روتوں کو ہنساتا۔ گرتوں کو اُٹھاتا۔ اور بن موت مرتوں کو جلاتا ہے۔

بُدھ بیراگ کی مورتی ہے۔ بیوی پر آخری نظر ڈالتا ہے۔ جگر کے ٹکڑے لے ابھی رات ہی تو اُجالا دیکھا ہے۔ مگر اس وہم کے اُجالے پر موہت ہو تو بدھ کون بنے؟

رام باپ کے حکم کی اطاعت ہے۔ فرض کی راہ میں ریاضت ہے۔ مستحقوں کی اعانت ہے۔ ظالموں پر ظلم ہے۔ کرشن تدبیر ہے۔ دانائی ہے۔ معاملہ فہمی ہے۔ اور کامیابی کا گُر ہے۔ غرض جس بزرگ پر نظر ڈالو۔ موصوف نہیں صفت ہے۔ پورانک انہیں نرانکار کا اوتار کہتے ہیں۔ ہم انہیں بے شکل خوبی کی خدوخال والی صورت۔

بھگتی ظاہر ہونا چاہتی تھی۔ نانک بنی۔ رچنا کو رنگ روپ کی خواہش تھی۔ گوبند سنگھ کا روپ ملا۔ مسیحائی کا جھوکا مسیح ہوا۔ ترک دُنیا کو شکل کی ضرورت تھی۔ بُدھ کا مجسمہ تیار ہوا۔ انصاف کی کُرسی رام ٹھیرا اور دانائی کا لب ولہجہ کرشن۔

دیانند کس خیال کا کرشمہ تھا۔ کونسی صفت بھڑکی۔ کہ اُسے دیانند کی نبض میں جگہ ملی؟ ہاں دیانند کس خوبی کا مظہر تھا۔ کس عظمت کا نائب۔ کس بزرگی کا قائمقام؟ ہم نے دیانندی ترانہ سنا ہے۔ اُس کی لَے سے۔ اُس بانسری پر کان دیا ہے

اس میں نغمہ ہے - اس رباب پر ہاتھ مارا ہے - تار ہلا ہے - اور اس سے نہایت لطیف گیت برآمد ہوئے ہیں ۔

دیانندی تان کی لے - دیانندی بانسری کا نغمہ - دیانندی رباب کا تار اور اس کا لطیف گیت - کیا ہے؟ کیسا ہے؟ فن موسیقی کے ماہر آئیں اور سمجھیں - یہ گیت پیچیدہ گیت ہے - اس میں اونچی نیچی سب سُریں ہیں اور سب مل کر ایک نغمہ بنتی ہیں - یہ نغمہ اتنا ہی پیچیدہ ہے - جتنی کہ انسانیت - کیونکہ یہ انسانیت کا نغمہ ہے ۔

دیانند عبادت نہیں ریشی عفت نہیں - اخوت نہیں وحدت نہیں - حق پسندی نہیں دانائی نہیں - سب کچھ ہے - کسی کو ناگوار نہ گزرے دیانند انسانیت ہے ۔

اوتار یا پیغمبر؟

دیانند نے اوتار ہونے کا دعوے نہیں کیا - اس سے پہلے بھی کسی نے نہ کیا تھا - پرماتما کا بیٹا ہونے کا دعوے کیا اور کہا - پرماتما کے سب بیٹے ہیں - اپنے آپ کو پیغمبر نہ بتایا - کسی نے کہا یہ نہ کہو - وید میں ایسا لکھا ہے - کہو پرماتما نے مجھے ایسا کہا ہے - صدقے اس انسانیت کے! کہا نہیں - اس پیغمبری کا حق میرا اکیلا نہیں - سب کا ہے - پرماتما تو سب کو ریچ کہتے ہیں - کوئی سُنو بھی - سب پر وحی نازل ہوتی ہے کوئی سمجھو بھی - پرماتما کا پہلا اور پورا اور پھر اکیلا الہام وید ہے - جو پڑھ لو وہ پیغمبر - یوگی بن جاؤ - پہلے رشیوں کا سا الہام ہوگا - رتی بھر کم نہیں ۔

پرماتما کا نائب!

انسان پرماتما کا نائب ہے - مگر کون انسان؟ پہلے بزرگوں نے بھی ایسا کہا تھا - مگر بن خود نائب گئے تھے - کوئی اپنی مرضی سے - اور کوئی مریدوں کے "مریدان مے پرانند" سے - میرے پیارے نے اپنے لئے کوئی خصوصیت قبول نہ کی - کہا میرے بچن کو عقل کی کسوٹی پر کسو - تم اپنے الہام پر اعتبار کرو - میرے الہام پر نہیں - ہاں شرط یہ ہے - کہ ملہم ہونا سیکھو - عقل کو ایسا ہی راسخ اور صالح کرو جیسا نائبانِ خدا کا ہوتا ہے - دیانند کا قول اس لئے نہ مانو - کہ

دیانند کا ہے۔ اس لئے مانو کہ تمہاری عقل کا ہے۔ میلی عقل کا نہیں۔ سُجن عقل کا ہے۔ دیانند کو اس کا ڈر نہیں کہ اس سے کوئی بڑھ جائیگا۔ سیانے باپ کی طرح اس کو خوشی ہے کہ اُس کی اولاد اس سے زیادہ لائق ہو جاوے ۔

انسانی ترقی کی کوئی حد ہے؟ قابلیت رُوحانی ہو یا جسمانی۔ غیر محدود ہے۔ تکمیل ذات پرماتما کی ہے۔ اس سے نیچے جہاں جس درجہ پر ہو۔ ترقی کا میدان باقی ہے ۔

پرماتما اور آتما ناستکوں نے پرماتما کی ہستی مٹانی چاہی۔ کہا ہم ہیں۔ وہ نہیں ویدانت کا موضوع ہی پرماتما کی ہستی ہوا۔ پرماتما نہ ہوتے ویدانت نہ رہے۔ انہیں ناستکوں کی بات کھٹکی۔ ناستکوں کی مخالفت میں اُن کا یہ دعویٰ ہوا کہ وہ ہیں ہم نہیں۔ رُوح وہم ہے۔ یہ وہم مٹ جاتا۔ خود وہم کا پرماتما بنتا ہے۔ ذہن میں کشمکش ہوئی اور جیتے وہم والے۔ مگر فتح پا کر وہم اور پکا ہو گیا۔ مٹا نہیں۔ مٹا تو پرماتما بھی نہ ہوا۔ آخر ہوا یہ کہ ہم بھی وہم ہو گئے۔ پرماتما بھی وہم رہ گیا ۔

دیانندی انسانیت کو جوش آیا۔ دونوں کو للکارا۔ کہا دونوں کا وہم غلط ہے۔ دونوں کے دعوے کا اثباتی حصہ درست ہے۔ انسانیت ہے۔ اس کا ثبوت تمہاری ہاں اور نہ دونو دیتی ہیں۔ اپنے ہونے کا اقبال کرو۔ تو جس کا اقبال کرو وہ انسانیت ہے۔ اپنے ہونے سے منکر ہو تو جس سے منکر ہو وہ انسانیت ہے۔ منکر بھی مقبول بھی دونو انسانیت ہیں۔ انسانیت کمال نہیں۔ اس کی ہستی اُس کے عدم کمال کا اعتراف ہے۔ انسانیت کوشش ہے۔ کوشش کا نتیجہ نہیں۔ انسانیت ترقی کا زینہ ہے ترقی کا معراج نہیں۔ زینے کو معراج چاہیئے۔ کوشش کو نتیجہ چاہیئے۔ تلاش کو کوئی مقصود چاہیئے۔ وہ معراج۔ وہ نتیجہ۔ وہ مقصود پرماتما ہے۔ یہ کوئی ہاتھ آئیگا؟ نہیں ہاتھ بڑھاتے جاؤ۔ قدم اُٹھانے میں تلاش کی لذت ہے۔ جستجو کی تسکین جستجو ہے۔ شعر

مزہ تھا جو پا کو لا حاصل ہے میری سعی سب اور تو پائے رواں میں جستجو ہو کر رہا

وید میں جیو کو کرتو کہا ہے۔ یعنی کام کرنے والا۔ سو سال، بلکہ سو سال سے زیادہ جینے کی ہدایت کی ہے۔ مگر ساتھ ہی کہا ہے۔ کام کرتا ہوا جینے کی خواہش کر۔ یعنی جو لمحہ کام کے بغیر گذریگا۔ وہ جینا نہیں مرنا ہے ۔

پرماتما کی ہستی سے منکر کوئی معراج نہ رکھتے تھے۔ اس لئے ٹھہر گئے تھے۔ جو پرماتما کہنے والے اپنے آپ کو منزل مقصود سمجھ بیٹھے تھے۔ اس لئے بیٹھ رہے تھے۔ روح قدم مارتی رہتی، کیونکہ اس کا خاصہ قدم مارنا ہے۔ مگر وہ قدم پھیر سے ہوئے سپاہی کا مارک ٹائم تھے۔ انسانیت کے نغمے نے خود پرماتما ہونے کا وہم بھی مٹا دیا۔ اور پرماتما نہ ہونے کا وہم بھی۔ انسانیت کو کوشش بنایا۔ کمال کی تلاش بنایا۔ نہ رکنے والا عروج بنایا۔ ناکام کامیابی بنایا ۔

انسانیت کے ٹوٹے

انسانیت کے ٹوٹے تھے۔ انسان بال کی کھال اتار کر مطمئن نہ ہوا۔ خیال کی کھال اتارنے لگا۔ انسانیت صفت تھی۔ اس کے پرزے کئے۔ کوئی برہمن ہوا۔ کوئی شودر۔ کوئی گورا ہوا۔ کوئی کالا کوئی پیلا۔ کوئی حبشی۔ کوئی کاکیشی۔ کوئی منگول۔ چھوت۔ اچھوت۔ پاک۔ ناپاک۔ لاکھوں جماعتیں بن گئیں ۔

انسانیت کو درد ہوا۔ کہ آج مجھ پر آرہ کشی ہے۔ صحیح وسالم پر نشتر چلاتے ہیں۔ ایک چیخ نکلی۔ غضب نہ ڈھاؤ۔ اپنے اوپر رحم کرو۔ انسانیت ایک ہے۔ صورتیں لاکھ ہوں۔ انسان جب تک انسان ہے۔ اچھوت نہیں۔ اس کا پرماتما سے سیدھا ناطہ ہے۔ وہ وید پڑھ سکتا ہے۔ پرماتما کا امرت پتر کہلا سکتا ہے۔ انسانیت برہمن ہو کر وید نہیں پڑھتی۔ وید پڑھکر برہمن ہوتی ہے۔ گورا وہ ہے۔ جس کا دل صاف ہے۔ خیال پاکیزہ ہو۔ قول پاکیزہ ہو۔ عمل پاکیزہ ہو۔

شعر

صاف دل ہو۔ رنگ ہے کالا تو کیا
خاک کا پتلا ہے۔ منہ کالا تو کیا

رام اور کرشن دونو سانولے تھے۔ مگر انسانیت کا رنگ گورا تھا۔ گورا لکشمن گورا بلرام دونو کا سایہ بنے رہے ۔

عورت؟ مرد؟

دیانند نے شادی نہ کی۔ گرہست نہ بنا۔ عورتوں سے دُور رہتا تھا۔ مگر تھا عورت کا بچہ۔ عورت اُس کی انسانیت کا جزو بھی کر تو اس میں ایک بڑھیا چرنوں میں آئی اور اُپدیش چاہا۔ کہا۔ گایتری کا جاپ کیا کر۔ بڑھیا حیران۔ ہم اور منتر؟ انسانیت کے پتلے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہا۔ زبردستوں نے صنفِ نازک کی نزاکت کو ضعف میں بدل دیا ہے۔ تگڑے ہاتھ اسے جینے کے حقوق سے بھی محروم کرتے ہیں۔ عورت لطیف ہے۔ تو پرماتما کی ذات بھی لطیف ہے۔ گیان بھی لطیف ہے۔ اور لطافت لطیفوں کا حصہ ہے۔ مذہب کی محافظ عورت۔ اور آج اسے مذہب سے خارج کئے بیٹھے ہیں۔ انسانیت کی بوڑھی ماتا! تو قدیم انسانیت کا حق لے۔ واک اور شردھا کی طرح وید کی بانی پر قبضہ کر۔ اور اس کے میٹھاس کی گنگا عالم میں بہا۔ کسی عورت نے سمادھی میں ماتھا ٹیکا۔ تو سخت پرائشچت کیا۔ اور دو دن بھوکے رہے۔ لڑکی کو دیکھا تو سر جھکا کر نمستے کہی۔ انسانیت نے انسانیت کے سرچشمے کو پہچانا۔ اس کی عظمت کی تعظیم سے اپنے آپ کو عزت کے قابل بنایا۔

آزادی؟ یا ضابطگی؟

دیانند آزادی کا دیوتا ہے۔ اور آزادی کو انسانیت کا پہلا حق سمجھتا ہے۔ حیوان قید سے قابو میں آتا ہے۔ انسان کھلا چھوڑنے سے۔ اس کی قید آزادی کی تیاری ہے۔ بچے کو انگلی سے پکڑتے ہیں۔ اس لئے کہ اٹھ سکے۔ سدھانا۔ سکھانا بے قید انسانیت کی شاہی سڑک ہے۔ بے مہار ہونا آزادی نہیں۔ نہ زنجیروں میں جکڑنا تربیت۔ آزادی بھی قید ہے۔ اور قید میں آزادی۔

دیانند کا پرماتما قانون کا پابند ہے۔ وہ ترنگی بدماتما کا اُپاسک نہیں۔

شریروں کے لیئے قانون قید ہے۔ بھلے مانسوں کے لیئے قانون آزادی۔ آزاد انسانیت قانون بناتی اور قانون کے ماتحت رہتی ہے۔ قانون توڑنا اُس کی نگہ میں گراوٹ ہے عظمت نہیں سیدھی ہوئی آتما طبعاً آزاد ہے۔ اور قانون اُس کی فطرت ہے۔

ریاضت یا سہولت؟

لوگ نئی تہذیب پر موہت ہیں۔ دیانند نے پرانی تہذیب کو آواز دی۔ آ! وہ پہاڑوں سے نکلی اور ریاضت بن گئی۔

زمانے نے سہل انگاری کو تہذیب سمجھا تھا۔ اُس نے جفاکشی کا معراج پیش کیا۔ کہا جنگل میں اصلی مہذب رہتے ہیں۔ پہاڑ وحشیوں کا مسکن نہیں۔ حقیقی مہذبوں کی کٹیا ہے۔ افریقہ کے صحرا میں مردم خور ہیں۔ تو شہروں کی منڈیوں میں بھی مردم کش ہیں۔ جنگلوں میں غلام نہیں بکتے۔ پیسہ دے کر انسانیت کو رخصت کرنا شہروں کا رواج ہے۔ جنگل کا نہیں۔ کسی کے ہاتھ سے جوتا پہننا جہاں اپنی مشقت کی انسانیت کو جواب دینا ہے۔ وہاں اوروں کی خودداری کی انسانیت کو جوتا مارنا ہے۔

روزانہ ضروریات کیلئے محتاج لنگڑے ہوں۔ لولے ہوں۔ صحیح سالم کیوں محتاج ہوں؟

صاحب! دیکھ گھوڑا ہنہناتا ہے۔ سائیس موجود نہیں۔ اسے پانی کون پلائے؟ آقا نوکر کو آواز دیتا ہے۔ نوکر موجود نہیں۔ اسے پانی کون پلائے؟ سائیس بالٹی لائے تو گھوڑے کی پیاس بجھے۔ نوکر گلاس پیش کرے تو آقا کی پیاس مٹے۔ یہ انسانیت کہاں ہے؟ جنگلوں میں؟ شہروں میں؟ جنگل شہروں پر کیا موقوف ہے؟ جہاں ریاضت نہیں مشقت نہیں۔ وہاں انسانیت نہیں۔

سوامی راجاؤں کا راجہ تھا۔ رانا نے اودے پور آتے ہیں۔ اور فرش پر بیٹھتے ہیں کہ گورو کے آگے چیلے کا آسن زمین ہے۔ گورو کی سادگی دیکھ! سیر سے واپس آرہے ہیں گاڑیبان کی گاڑی کیچڑ میں دھنس گئی ہے نکالے نہیں نکلتی۔ میر اُکندن جیسا سوامی کیچڑ میں اُترتا ہے۔ بیلوں کو کھول کر خود گاڑی کھینچتا ہے۔ اس تہذیب کے قربان! اس انسانیت کے قربان! سرور مخلوقات نے مخلوقات کے ستانے میں اپنی سرتائی

سمجھی تھی۔ میرے انسان سوامی نے کہا۔ نہیں! سروری کا فرض حفاظت ہے ؛

ملکی تدبیروں میں مدبروں کا گورو۔ مجلسی آئین میں مجلسوں کا پیشوا۔ صنعت میں اہل صنعت کا رہنما۔ معرفت اور جبر چہ تعلیم میں گو کھلے کا پیشرو کون تھا؟ یہی انسانیت کا نغمہ جسے دیانند کہتے ہیں ؛

جسم؟ روح؟ کوئی جسم سکھاتا تھا۔ کوئی جسم جلاتا تھا۔ جسم کا گھٹانا روح کا بڑھانا خیال کیا جاتا تھا۔ اُدھر کوئی کوئی حواس ہی کو روح بتا رہا تھا؛ جسمانی لذات کو روحانی سرور کا مترادف بتلا رہا تھا۔ ایک طرف فلسفہ طرب تھا تو دوسری طرف فلسفہ ماتم۔ پہلے کو پڑھا خوش ہو گئے۔ دوسرے کا مطالعہ کیا آنسو بہا دیئے۔ حلاوت بڑھتے بڑھتے تلخ ہو گئی۔ درد حد سے گزرا۔ دوا بن گیا۔ حلاوت کا طالب حلاوت سے محروم رہا۔ درد کا خوگر درد سے۔ طمانیت نہ یاں تھی۔ نہ واں تھی ؛

انسانیت کی رباب ہلی۔ اس پر مضراب پڑا۔ تان اُٹھی۔ روح کا جسم جوشن ہے حواس ہتھیار ہیں۔ ان کے بغیر نہ دشمنوں سے جنگ ہو سکتی ہے۔ نہ شخصیت کی حفاظت۔ جسمانی نزاکت۔ روحانی لطافت نہیں گھٹانے کا نام کیوں لو؟ دونو کو بڑھاؤ۔ چشمِ باطن چشمِ ظاہر کے بغیر نہیں کھلتی۔ عالم کی علامت چشمہ نہیں۔ سوکھی ہڈیوں سے ریاضت کیا ہو گی؟ میرے سوامی نے ایک ہاتھ سے جگتی کو روکا۔ دوسرے سے دل کو۔ پہلوان اس کے بازو کو نہ گرا سکے۔ طوائف اس کے دل کو نہ گرا سکی ؛

فرد؟ مجلس؟ دنیا سے منہ موڑتے۔ ایشور سے رشتہ جوڑتے۔ گویا ایشور دنیا سے دور ہے! کٹی میں بند ہے۔ شہر میں نہیں۔ خلوتی رکھتا ہے۔ بیرونی نہیں۔ سوامی نے دریا کے کنارے سے دل ہٹایا۔ پہاڑوں کی غاروں سے آسن اٹھایا۔ کہ یہاں ترنگیں ہیں۔ صرصر ہے۔ دل کی توجہ قائم نہیں رہتی۔ دل کو دل کی کٹی میں قائم کیا۔ کہ نہ تغیر ہو گا۔ نہ یکسوئی مٹیگی۔ خوب مراقبے ہوئے۔ آتما کے آتما

کو دیکھا۔ آنند ہوا۔ شانتی ہوئی۔ مگر پرماتما کے پورے درشن نہ ہوئے۔

شہر دل سے شور اٹھا۔ ادھر آ۔ کھیتوں سے آواز آئی۔ ہمیں دیکھ۔ یہاں پرماتما ہے۔ تاجروں کی تجارت۔ کسان کی زراعت۔ راجوں کا راج۔ فقیروں کا فقر کس کی بدولت ہیں؟ آرام کرنے والے پرماتما کو دیکھا ہے۔ تو کام کرنے والے پرماتما کو دیکھ۔ تارک کے درشن کئے ہیں۔ مشغول کے کر۔ چپ چاپ سمادھی لگائی ہے۔ تو شور کی سمادھی لگا۔ ہنگامے میں مراقبہ ہے۔ شورش میں یکسوئی ہے۔

انسانی سماج کے دس اصول ہوئے پانچ فردیت کے۔ پانچ مجلسیت کے۔

مجبور ہے؟ مختار ہے؟

ایک پہیلی تھی۔ کوئی نہ سمجھاتا تھا۔ ایک بجھارت تھی۔ کسی کو سمجھ نہ آتی تھی۔ بغیر گھوڑے کے گاڑیاں چلتی تھیں۔ سمندر شاہراہ بن گئے تھے۔ ہوا میں اڑتے تھے۔ آوازیں دوڑتی تھیں۔ دیوار کے پار کی چیز قندھار کے پار نہ تھی۔ نظر پہاڑوں کو چیر گئی تھی۔ سب کہتے تھے۔ انسان مختار ہے قدرت باندی ہے۔ اِنسان آقا۔

مگر پھوڑا نکلا اور اچھا نہ ہوا۔ گھاٹا پڑا اور پورا نہ ہو سکا۔ موت آئی اور ٹالے نہ ٹلی۔ محنت کی۔ ناکامی رہی۔ جھٹ کہا مجبور ہے۔ تقدیر یاد آئی۔ نکمّے ہو بیٹھے۔ تدبیر سوجھی۔ خون پانی ایک کیا۔ زِندگی متضادوں کا مجموعہ ہو گئی۔

اِنسانیت کا معمّہ انسانیت نے حل کیا۔ کہا فعل میں مختار ہے۔ جزا میں مجبور ہے۔ قانونِ مطلق کی قدرت کا ضابطہ ہے۔ اُس کے پابند ہم بھی ہیں۔ قادر بھی۔ دونوں ابتدا و انتہا سے خارج ہیں۔ نیکی کی ہدایت پرماتما کرتے ہیں۔ مگر کرنے کا بوجھ ہم پر ہے۔ عمل رُوح کا خاصہ ہے۔ بُرائی بھلائی کی تمیز پرماتما سے ملتی ہے۔ پسند ہماری ہے۔ بُرائی بھی اُس کے پلّے مڑھنا اور بھلائی بھی قادرِ مطلق کی شان بڑھانا نہیں۔ بُرائی بھلائی ہمیشہ سے ہیں۔ کیونکہ رُوح ہمیشہ تھا۔ رُوح کی ابتدا ہو تو پرماتما اس سے پہلے

ہو

ٹھیرا۔ بُرائی کہاں سے آئی۔ اِنسان کا اختیار ازلی ہے۔ جیسے اُس کی مجبوری ازلی ہے
کرتا اپنی مرضی سے ہے مگر پھل پانے میں اُسکی مرضی دریافت نہیں کرتے۔ اِس
زندگی کی مصیبتیں اس سے پہلی زندگی کے اعمال کا اجر ہیں۔ جو ہم نے بویا ہے۔ اُس
کا فصل خواہ مخواہ کاٹنا ہوگا۔ موجودہ مُصیبت کی طمانیت سے برداشت اور آئندہ
کے لئے نیک اعمال کی کاشت۔ یہ انسان کی مجبوری اور مختاری دونو ہیں۔ دونو میں
شجاعت ہے۔ اور دونو میں انسانیت ۔

تناسخ کا مسئلہ کاہل نہیں بناتا۔ مایوسی نہیں پیدا کرتا۔ استقلال کی تعلیم دیتا ہے۔ زندگی
بخشتا ہے۔ تقدیر کے آگے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانا۔ اور تدبیر کے پاؤں میں زنجیر ڈال دینا
انسانی نغمہ کے خلاف تھا۔ اُس نے مجبوری اور مختاری کو زیر و بم کیا اور راگ کی سُر ملا دی

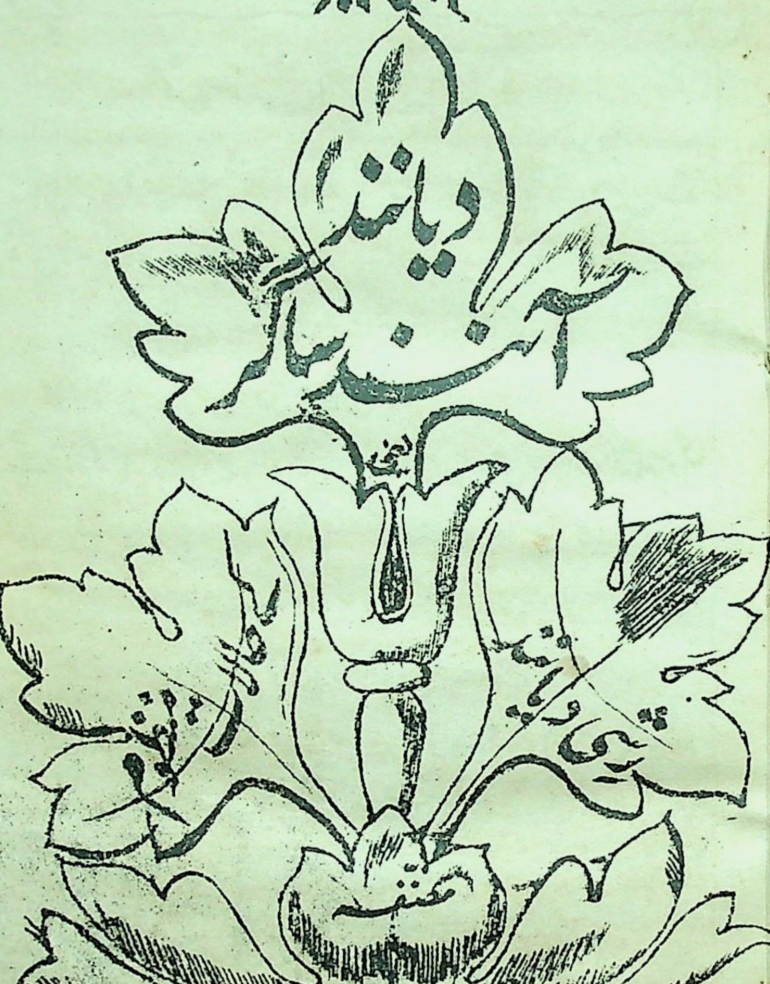
سرگم

(۱) دیانند پرماتما نہ تھا۔ یہ نیچی سُر تھی۔ دیانند پرماتما کا نائب تھا جیسے ہم ہیں۔ یہ اُونچی سُر تھی
(۲) دیانند کمال نہ تھا ،، ،، ،، ،، دیانند کمال کی کوشش تھا ،، ،، ،،
(۳) دیانند نے برہمن کو انسان کہا ،، ،، دیانند نے شودر کو برہمن بنایا ،، ،، ،،
(۴) ،، مرد کو مرد کہا۔ یہ ،، ،، ،، ،، نے عورت کو مرد کی ماں بنایا ،، ،، ،،
(۵) ،، دنیا کو تہذیب کہا۔ یہ کرخت ،، ،، ،، جسم کو آتما کا جوشن کہا۔ یہ ملائم ،،
(۶) ،، شُدھ ہوا۔ یہ نیچلی ،، ،، ،، مجلس بن گیا۔ یہ مدھم سُر تھی
(۷) ،، جزا میں مجبور رہا۔ یہ مدھم ،، ،، ،، فعل میں مختار رہا۔ یہ بلند ،، ،،

نغمہ کیا تھا۔ پُوری سرگم تھی۔ دیانند نے یہ نغمہ سُنا گایا اور خود نغمہ بن گیا۔
ہم فن موسیقی کے ماہر نہیں اس لئے پُورا تال نہیں سمجھے۔ ماہر آئیں اور
نغمے کو پہچانیں۔ اور اپنی سمجھ کے مطابق داد دیں۔

چمپت رائے

ओ३म



چمپتی صادق ایم-اے

نمست چت آنندا

زباں تیری توصیف میں نغمہ زن[1] ہے — قلم حمد سے تیری طوطی[2] دہن ہے
ہری[3] نام سے تیرے شاخِ سخن ہے — نمستے[4] مرے لب پہ پرماتمن ہے

مجھے فیض سے اپنے مخمور[5] کر دے
سخن ذوقِ عرفان[6] سے پُر شعور کر دے

مجھے آج کرنا ہے اذکارِ سوامی — زباں میں مری بھر دے گفتارِ سوامی
کروں جلوہ[7] پیرا وہ انوارِ سوامی — کہ ہو صاف سامع[9] کو دیدارِ سوامی

صداقت[10] کو پیراہنِ ذوق تبدیل دوں
دلِ گرم کو دیدۂ شوق دے دوں

تو اے کلک[11] سوامی کے چرنوں میں جھک جا — دو زانو[12] ہو، دے پاک آسن کو بوسہ

۱ تعریف کے گیت گاتی ہے۔ ۲ طوطی ایک پرندہ جس کا راگ دلکش ہوتا ہے۔ قلم کی آواز کو طوطی کے گانے سے تشبیہ دی ہے۔ مراد یہ کہ تقریر و تحریر دونوں پرماتما کی تعریف کے لئے وقف ہیں۔ ۳ سبز۔ ہری سنسکرت میں پرماتما کا نام بھی ہے۔ اس نام کے زبان پر آنے سے شاخِ سخن خواہ مخواہ ہری ہوتی ہے۔ ۴ نمستے کے لغوی معنی ہیں تجھ کو سجدہ۔ جب انسان آپس میں نمستے لیں۔ تو اس کے معنی ہیں آپ کی تعظیم۔ ۵ مست۔ ۶ پرماتما کا گیان۔ برہم ودیا۔ ۷ بھرا ہوا۔ ۸ زینت سے ظاہر کروں۔ ۹ سننے والا۔ ۱۰ سچائی کو دلکش پیرایہ میں ظاہر کرنا۔ یعنی حالات تاریخی ہوں۔ اور طرزِ بیان دلفریب ہو۔ اس ساری کتاب میں کہیں مبالغہ سے کام نہیں لیا۔ اس میں فقط اوزان و قافیے شاعر کے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی شاعرانہ تصرف نہیں کیا۔ ۱۱ قلم۔ ۱۲ شگاف سے قلم کی دو نوکیں ہوتی ہیں۔ اور جب لکھنے کے لئے اسے جھکاتے ہیں تو خواہ مخواہ دو زانو ہوتا ہے۔

نہیں لائق شان کوئی اور تحفہ — مدحت کی دو چار لڑیاں پرو لائے

بہت تیرے چھٹے رہی رو سیاہی

سیاہی تیری آج ہو روشنائی

دیانند کا نام آیا زباں پر — ہوا لطف گویائی کیا کیا چھپائے

حلاوت تھی حرفوں میں امرت سے بڑھ کر — مزا چوسا ہونٹوں نے لذت میں پی کر

کہا دل نے یہ چاشنی مجھ کو دینا

عقیدت نے تو کہا - ذرا سوچ لینا

۱- تعریف - ۲- قلم سیاہی سے لکھتا ہے - اس لئے قدرتاً اس کا منہ سیاہ ہوتا ہے - ۳- مگر سیاہی کا دوسرا نام روشنائی ہے - سوامی جی کے پاک اذکار سے اس کی روسیاہی مٹ جائیگی اور سیاہی درحقیقت روشنائی ہو جائیگی -

۴- یہ سوچ کر کہ کہیں فرط عقیدت میں پڑ کر سوامی جی کو دیوتا یا پیغمبر نہ بنا دیں - حالات زندگی بہت دلچسپ ہیں - اخلاق اعلیٰ ہے - اطوار دل لبھانے ہیں - بات بات میں حکمت ہے - قدم قدم پر رحم اور ایثار ہے - صداقت کا پتلا ہے - ہمت کا مجسمہ ہے - کوئی خوبی نہیں - جو سوامی میں نہ ہو - اور جو ہے وہ انتہائی درجہ کی ہے - خواہ مخواہ جی چاہتا ہے - کہ اس کے قدموں میں جا پڑیں - اور اسے انسان نہیں فرشتہ مانیں - بڑے آدمیوں کی تعظیم میں احتیاط لازم ہوتی ہے - کہ کہیں ان کا درجہ انسانیت سے بالا نہ ہو جائے - آریہ سماج میں سوامی کو پرماتما کا اوتار نہیں تو ایسی آتما تو کہنے ہی لگے ہیں - جو جنم سے پہلے نجات کی حالت میں تھی - ہماری فلاح کے لئے زمیں پر آئی - حالانکہ سوامی کی تعلیمیں ایسے دعووں کے سراسر خلاف ہے - رشی اپنے آپ کو انسان کہتا ہے - اور اس کا دعوے تھا - کہ اور انسان بھی چاہیں - تو مجھ جیسے ہو سکتے ہیں - پرماتما ان پر رحمت برساتے ہیں - جو خود ہمت کریں ؛

موروی علاقہ گجرات — سمت ۱۸۸۱ بکرمی

۱- وید والے کا جنم

ہے گجرات میں موروی نام نگری — ہے پاس اسکے بہتی مچھو کا ندی
تھا مدت سے قائم وہاں راج دیسی — مہاراج کی تھی وہیں راجدھانی

جمعدار تھے امبا شنکر وہاں کے
وصول اس علاقہ کا محصول کرتے

زمین وسیع اُن کی رقبے تھے آباد — تھے ممتاز سرکار آبا و اجداد
شریف اُن کے ہمدم شریف اُن کی اولاد — خوشی کے تھے ساماں خوشی کی تھی رُوداد

اُودیچ اُن کی تھی ذات اعلیٰ برہمن
سدا سام وید اُن کے گھر میں نغمہ زن ہے

مہا دیو بھولے کے سچے بھگت تھے — سدا تا وہ جل پنڈ پر تھے چڑھاتے
عقیدت کے راسخ عبادت کے پکے — کبھی ناغہ پڑتا نہ پوجن میں اُنکے

۱- ہندوستان کے مغرب میں جزیرہ نما ہے اُسے کاٹھیاواڑ بھی کہتے ہیں - ۲- دار الخلافہ
۳- سوامی جی لکھتے ہیں - کہ وہاں کی جمعداری کا عہدہ یہاں کی تحصیلداری کے مقابل ہے
۴- گننے میں مصروف - اُودیچ برہمن سام ویدی ہوتے ہیں - اُن کے گھر میں وید گایا جاتا
شاعر نے اس بات کو اس طرح ظاہر کیا کہ گویا سام وید خود نغمے نکالتا تھا - ۵- ہندو تثلیث
کا تیسرا دیوتا جو پرلے کرتا ہے - بھنگ پیتا اور مست رہتا ہے - اس لئے اس کو بھولا
کہتے ہیں - ۶- معتقد - ۷- بُت - شو کا بت پتھر کا لمبا تراشا ہوا ہوتا
۸- سچے - ۹- پرستش

رہی دھرم میں اُن کو اپنوں میں سبقت
دھنی علمِ دھرم کا جاتی تھی رغبت

زمانے میں تب دھرم کا حال کیا تھا ۔ ادھرم اچھا تھا دھرم اُس سے بُرا تھا
کوئی دھیان میں اپنے پرماتما تھا ۔ کوئی وہم[1] کی رَو میں بھٹکا خدا تھا
خدا کو نہ تھی کچھ سمجھتی خدائی۔
تھا بندوں کو خود دعویٰ کبریائی۔

نہ تھا ایک پتھر کا بُت معبدوں میں ۔ کہیں جل کہیں تھل تھا شامل بُتوں میں
کوئی ایسی[2] صورت نہ تھی عنصروں میں ۔ جسے سجدہ کرتے نہ جاہل گھروں میں
سمجھ پہ تھا پردہ پڑا آدمی کی۔
تھی یاں خوف[3] واں وہم کی بُت پرستی

تھا عیسیٰ کے بیٹوں کو عیسائی بھولا ۔ وہاں احکام موسیٰ کے موسائی بھولا
برہمن تھا ویدوں کی یکتائی بھولا ۔ تھا وحدت کا گر مسلماں بھائی بھولا

١- نوین ویدانتیوں کا عقیدہ ہے کہ ہم برہم یعنی خود خدا ہیں۔ برہم یعنی وہم میں پڑ کر انسانی یا حیوانی صورت میں آتے ہیں۔ شائد صوفیوں کا عقیدہ اس سے ملتا ہے۔
٢- ہندوؤں نے عبادت کو مخول بنا رکھا ہے۔ دوکاندار دوکان پر آئے تو اُسے سجدہ کرے۔ قلم اور بہی کو سجدہ کرے گو بغیر حساب لکھے۔ دریا۔ پیپل۔ چندر۔ سورج۔ چاند۔ گدھا گھوڑا سب کو معبود جانا ہے۔ ٣- کہیں سجدہ نہ کرنے سے مصیبت آنے کا ڈر ہے۔ کہیں وہم ہے کہ یہی خدا نہ ہو۔ اس لمحہ لمحہ کی سجدہ گری نے ہندوؤں کو ایسا ذلیل کر دیا ہے کہ خودداری اور غیرت نام کو باقی نہیں رہی۔

کہیں آدمی مثلِ رحمان سمجھے
کہیں قبر میں سوئے انسان سمجھے

تھے لڑکی کا اپنی چڑھاوا چڑھاتے | چھری بیدھڑک بے زباں پر اُٹھاتے
بہانے سے دیوی کے ظلم ڈھاتے | خدا کے لئے مار کر آپ کھاتے

رہی جب نہ عقل آدمی کی ٹھکانے
گئے بن جہالت کے اُلّوں بہانے

رہ و رسم باقی نہ تھی آریوں کی[۱] | یہ قوم اپنا نام تک کو بھولی تھی
سبھی اس کو سمجھے تھے جنگل کا وحشی | یہ ملت تھی گہوارہ[۲] بدمذہبی کی

نہ تھا وید کا آریکا حسبِ منشو
بندھے پھرتے تھے پیچھے دبا کے ہند

اُڑاتی تھی تہذیب جن کی حلیا[۳] | اُنہیں مرتے دم تک لگے تھا ادولیا
اُنہیں جس طرف جس نے چاہا گھسیٹا | کوئی گر نہ تھا جس پہ ہندو نہ ٹھہرا

کروڑوں تھے اُن میں اچھوت ان کے بھائی

۱- پرانی کتابوں میں ہندوؤں کا نام آریہ ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ نیک۔ اعلیٰ۔ لفظ ہندو پرانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتا۔ یہ لفظ سنسکرت کا بھی نہیں ہے۔ ۲- ہنگورہ۔ ۳- چوٹی۔ ۴- سناتن دھرمیوں سے پوچھو تمہارا کوئی اصول بھی ہے۔ نہیں بتا سکتے۔ افسران مردم شماری ہندو لفظ کی تعریف کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ۵- مردم شماری ۱۹۱۱ء کے مطابق اچھوتوں کی تعداد کروڑ کے قریب ہے۔ اُن کے چھونے سے ہندو اپنے آپ کو ناپاک مانتے ہیں۔

سمجھتے تھے ماؤں کو پاؤں کی جوتی[1]

گزر جب گئی حد سے اپنی ضلالت[2] — بھٹکتا ہوا خلق کا قعرِ ذلت[3]
ہوئی اپنی حالت یہ غیروں کو رقت[4] — صدا اٹھی ہر سو یہیں ہائے رحمت!
ثوابت کو سکتہ سیاروں کو چکر
زمیں پر نشاں پر تھا چین و نہ مہر

فرشتوں میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں — ستاروں کی آنکھیں زمیں پر لگی تھیں
فلک پر صدا ایکلیاں گونجتی تھیں — نہ پڑتی تھی کل منتظر فیض کی تھیں
وہ اٹھی گھڑی - جسم پر سے بدلی
بھری مول شنکر نے ماتا کی جھولی

سر آنکھوں پہ لیں سب نے وہ اچھی گھڑیاں — سعادت نثار اُن پہ اور دین قرباں[6]
ہویدا تھے کیا کیا مسرت کے ساماں — منائیں سب آفاق نے مل کے خوشیاں
بجے اسپا شنکر کے گھر شادیانے
جلائے دئیے گھی کے ارضِ و سما نے

---

۱ - بوسانگوں میں عورت کی نیچی ہی ذلت ہے۔ ۲ - گمراہی۔ ۳ - ذلت کی گہری تھاہ۔ ۴ - رحم، ہمدردی۔ ۵ - شاعرانہ تعریف سے تقدیر آزادی ہے۔ مختفیاً پڑھو ثوابت یعنی بے حرکت ستارے تھمے تھے ساکن ہیں سیارے گردش میں ہیں۔ شاعر قوم کی ذلت کی وجہ سے اول الذکر کو سکتہ اور آخر الذکر کو چکر میں بتاتا ہے۔
۶ - برکت۔ ۷ - زمانہ، دنیا۔ ۸ - زمین و آسمان۔

اُٹھا شور جَے[1] کار کا ہر طرف سے ۔ ہُوا سانہ تیوہار کا ہر طرف سے
تھا غل وید[2] پرچار کا ہر طرف سے ۔ تھا نعرہ نمسکار کا ہر طرف سے
وہ آباد زمیں پر رِشی وید[3] والا
دیانند سوامی اِترا بول بالا۔

سوردی ۲۔ شِوراتری سمت ۱۸۹۴ بکرمی

جو چودہ برس کا ہُوا مُول کا سن۔ سکھایا گیا اُن کو شِو[4] جی کا پوجن۔
وہ شِو[4] جس کا کیلاس[5] پر ہے نشیمن ۔ سدا جس کی رہتی ہے دَیتوں[6] سے اَن بن
بنا کر جو لِنگ اُس کا یاں پوجتے ہیں
سدھرلوک پر لوک اُن کے گئے ہیں
خیال اسبا شنکر کو دن رات یہ تھا ۔ بھگت دل سے شنکر ہو شنکر کا سچا
ہمیشہ کرے شو کی تن من سے پوجا ۔ چڑھایا کرے اُس پہ جل بے محابا۔

۱۔ جے یعنی فتح ہوئی فتح ہوئی۔ خوشی کے موقعہ پر یہ لفظ کہا جاتا ہے۔ ۲۔ ویدوں کی اشاعت یہی رِشی کی بڑی عظمت ہے۔ ۳۔ رِشی کے آنے سے پہلے لوگوں نے ویدوں کو بھلا دیا تھا۔ سوامی نے ثابت کیا کہ ویدوں میں پرماتما کا گیان ہے۔ یہی پستک سچ کا مخزن اور منبع ہیں۔
۴۔ مہادیو کے نام شو۔ شنکر۔ شمبھو اور بھولا وغیرہ ہیں۔
۵۔ پورانوں کی روایت کے مطابق شو کے رہنے کا مقام کیلاس پربت ہی ہے۔
۶۔ شو دیتوں کو مارتے ہیں۔ ۷۔ بُت۔ دیکھو صفحہ ۲۰ نوٹ ۷

کبھی اُس کو لیجا تے شِو کی کتھا میں
سُنا تے کبھی گھر پہ شمبھو کی باتیں

ہمالہ[1] خُسر ہے کبھی کہتے اُس کا — اُما[2] نے اُسے سو ریاضت سے پایا
جٹاؤں[3] میں اُسکی سمائی جو گنگا — پتہ اُس کا برسوں نہ عالم کو سُوجھا

کئی دیت دھرتی پہ اُس نے لٹائے
ہوا کام[4] آگے تو بھونا نظر سے

تم اے مُول! مٹی کا اِک پنڈ گھڑ کر — چڑھایا کرو روز تازہ جل اُس پر
جو شِو مہرباں ہو تو پھر کس کا ہے ڈر — نہیں دیوتا کوئی شمبھو کا ہمسر

سنائیں یہ انجان بچے کو باتیں
گئیں دل میں کر مُول کی گھر یہ گھاتیں

اِس اثنا میں ان آئی شِو راتری[5] کی — جو رانوں میں مشہور تھی گپ اندھیری
یہی رات راتوں میں ہے شِو کی پیاری — برت رکھتے ہیں اس میں شِو کی پجاری

۱۔ پرانوں کی روایت کے مطابق کوہ ہمالہ کی لڑکی پاربتی سے شِو جی کی شادی ہوئی تھی ÷
÷ ۲۔ اُما پاربتی کا دوسرا نام ہے۔ اُسے خاوند بڑی تپسیا سے ملا تھا۔ ۳۔ بالون میں بھاگیرتھی کی دُعا سے جب گنگا آسمان سے اُتری۔ تو اُسے شِو نے اپنے سر پر روکا۔ گنگا کے غرور کرنے پر شِو نے اُسے اپنی جٹاؤں میں چھپا رکھا۔ ۴۔ کام [illegible] یعنی شہوت کا دیوتا۔ اُس نے شِو کو موہت کرنا چاہا تھا۔ شِو کے ماتھے پر ایک اور آنکھ ہے۔ اُس سے ایک شعلہ نکلا اور کام دیو بھسم ہو کر رہ گیا۔
۵۔ یہ رات پھاگن مہینے کے اندھیرے پکھواڑے کی چودھویں رات ہوتی ہے۔ مگر گجرات میں ماگھ مہینے میں یہ رات منائی جاتی ہے۔ شِو کے پجاری یہ رات کن اشغال میں گزارتے ہیں۔ اس کا مفصل بیان نظم میں کیا گیا ہے۔ آریہ سماجی اس دن [illegible] اس خیال سے کہ اس میں رشی کو پہلی مرتبہ حقیقت کا علم ہوا تھا رشی بودھ اُتسو مناتے ہیں ÷

کہا مُول سے باپ نے آج بیٹا!
گنواؤ نہ یہ وقت ہے رتجگے[1] کا

رُکاوٹ ہوئی امتا ماں کی لیکن
کہا مُول کے دودھ پیتے کے ہیں دن
بھلا رتجگا کب ہے بچوں سے ممکن
ہے خوش بھولے بالوں سے بھولا[2] برت بن

یہ تکرار ماں باپ میں ہو رہا تھا
کہا مُول نے میں اُپاسک[3] ہوں شو کا

سرِ شام مندر میں آئے پجاری۔
گئے ساتھ ابا کے واں مُول جی بھی
شوالے کی سج دھج تھی اُس رات انوکھی
کبھی مُول نے ایسی رنگت نہ دیکھی

کوئی آ کے باہر سے گھنٹہ ہلاتا۔
کوئی شو پہ پھولوں کی مالا چڑھاتا۔

زمیں پہ کوئی ہاتھ جوڑے پڑا ہے
کوئی شو کے آگے دو زانو کھڑا ہے
کوئی میٹھے میٹھے بھجن گا رہا ہے
نشے[4] میں کوئی بھنگ کے جھومتا تھی

غرض آدھی رات ان جھکولوں میں گذری
شوالے میں تب نیند بھینٹ اپنی لائی

۱۔ ساری رات جاگنے کا۔ ۲۔ مہادیو۔ شوجی۔ ۳۔ عبادت کرنیوالا۔ یعنی برت رکھنے پر ماں راضی ہو گئے
۴۔ شو کے پجاری بھنگ کو متبرک بوٹی سمجھتے ہیں۔ شوراتری کے دن بھنگ۔ افیم۔ بھنگ۔ سنکھیا۔ آک
پھول دھتورہ یہ پانچ چیزیں اکٹھی گھوٹ کر استعمال کرتے ہیں۔ وہ اسے پنج تول کہتے ہیں +

کوئی جا کے مندر کے آنگن میں سویا   کوئی پل سے پونی کے کیلاس پہنچا
کوئی بھنگ کے رنگ میں اونگھ لیتا   کوئی شو کے چرنوں میں بے خود پڑا تھا

غرض شو کی دھن میں گئے سو پجاری
رہا رت جگا صرف سینوں کا جاری

ادھر رات سنسان ادھر سونا مندر   نہ پتے کا کھڑکا نہ آواز صرصر
خموشی تھی چھائی ہوئی باہر اندر   نگہ ٹک گئی مول کی خوب شو پر

پہر بھر میں کٹنے کو تھی رات کالی
چونیا آئی پانی کے چھینٹوں سے ٹالی

صدا ایک جانب سے کھٹ کھٹ کی آئی   جو دیکھیں تو ہے گنپتی[۱] کی سواری۔
وہی رنگ بھورا وہی تھوتھنی کالی   نہ ہاتھوں میں دیپک[۲] نہ ڈنڈوت[۳] پھیری[۴]

بہت قرب پہ گنپتی کے تھا بھولا۔
لپک کر گیا شو کے چرنوں میں چوہا

لگا بے خطر بھوگ کو منہ لگانے   مہادیو کی سب مٹھائی اڑانے
کیا پھر جو محسوس بھونڈی ادا نے   اٹھا پاؤں سے جا پجارا سر ہلانے

۱۔ گنپتی جی۔ یہ شو کے بیٹے ہیں۔ ان کا سر ہاتھی کا ہے۔ اور باقی سارا جسم انسان کا۔ ان کی سواری چوہا ہے۔ ۲۔ دیا۔ ۳۔ پرنام۔ جھکنا۔ ۴۔ بت کے گرد چکر لگانا۔ ۵۔ ان کے بیٹے کی سواری ہونے کی وجہ سے چوہا بیک شو کے نزدیک پہنچا۔ اور آرتی و پھیری کی ضرورت نہ تھی۔

چڑھا بن ڈھلے پاؤں سے شو کے اُوپر
یہ دِل شو کا نقابل نہ آیا جبیں پر
نہ جھنکار سے جھانجھ کی شو نہارا بچھا　　نہ میٹھی سُر دِل پہ پیچا اُس کا
کلیجہ ہوا اُس کا کیا جل سے ٹھنڈا　　مشام اُس کا خوشبو سے مہکا نہ مہکا
یہ کیا بھولا پن ہے چڑھے سر پہ چُوہا
مہادیو کا اِس سے ٹھنکے نہ ماتھا
کہا کیا یہی شو ہے تِرشول[1] دھاری　　اِسی کو ہے کہتا جہاں اندھکاری[2]
اِسی سے ہیں ڈرتے ڈرانے پجاری　　اِنہی کو ہے کیا پُوجتی خلق ساری
ہے ذِلّت بڑی اِس قدر خوار ہونا
ہے لازم خدا کو بھی خود دار ہونا
پڑے بےخود آبا تھے اُن کو جگایا　　کہا مَیں اُپاسک نہیں ایسے شو کا
گئے گھر۔ کہا ماجرا ماں سے سارا　　برت توڑ کر سو گئے۔ بے تحاشا
غریق اور سب بھنگ کے تھے نشے میں
فقط مُوش بیدار بھارت جگے میں

۱۔ شوجی کا ہتھیار ترشول ہے۔ یہ ایک قسم کی برچھی ہے۔ جس میں تین نوکیں ہوتی ہیں ٭ ۲۔ اندھک ایک دیت تھا۔ جس کے مارنے سے شوجی اندھکاری یا اندھک کے دُشمن کہلائے ٭

وہی ایک سمجھا مہادیو کیا ہے؟ یہ لنگ اُسکی ہیئت سے بالکل جُدا ہے
اسے بھوگ سے کیا یہ حصہ مرا ہے۔ مرا آن داتا مجھے دے رہا ہے۔

یہ پتھر خدا بھنگڑوں کا ہے نقلی
عجب کیا جو بیاہے ہمالہ کی لڑکی

نظارہ یہ ارض و سما دیکھتے تھے سب اندھیر شوراتی کا دیکھتے تھے
دیا ایک دل میں جلا دیکھتے تھے یہ کہتے تھے جو بڑملا دیکھتے تھے

کیا جس نے شوراتری میں اُجالا
دیانند سوامی تیرا بول بالا۔

جنگل کو!

سمت ۱۹۰۰ بکرمی - ۳ - موروی

دیا ہے تُو اے مرگ! راہِ بقا کا کوئی مر کے واں جیتی جی کوئی پہنچا
عجب عبرت آموز ہے جلوہ تیرا جیا چشم دل سے تجھے جس نے دیکھا

معما کھلا زندگی کا تجھی سے
ہوا عقدہ وا زندگی کا تجھی سے

۱۔ مہادیو کے لغوی معنے بڑا دیوتا ہیں۔ یہ درحقیقت پرماتما کا نام ہے۔ ۲۔ بت۔ ۳۔ روزی دینے والا رزاق۔ ۴۔ پتھر دیکھنے والا دیکھ رہا ہوں اس میں تعجب کیا۔ ۵۔ سوامی کے دل میں۔ ۶۔ ظاہر۔ ۷۔ مکتی کا راستہ۔ ۸۔ کسی کی مکتی مرنے پر ہوتی ہے۔ کوئی جیون مکت ہو جاتے ہیں۔ موت دونوں کی رہنما ہے ۹۔ سچے معنوں میں وہی جیتا ہے جو موت کا راز سمجھتا ہے۔ ۱۰۔

بتا بدھ[۱] کو دی کس نے کی ثنا سے — ہمیشہ یہاں ہوتے آئے بہانے
نہاں راز تھا سب میں کون جانے — جتایا[۲] کسی کو کسی کی قضا نے

غلط ہے کہ دنیا ہے مرنے کی بستی
یہ جینے کی ہے کام کرنے کی بستی

نہ ٹھیراؤ ہو جس میں وہ کیا سفر ہے — کڑی ہے وہ منزل کٹھن رہگذر ہے
مسافر پسینے سے یاں تر بتر ہے — وہاں پیاؤ[۳] بن کربلا[۴] کا حشر ہے

مسافر کا کرتی ہے دم تازہ منزل
اجل سے نہیں پھر ہو جینے کے قابل

نہ تھی مول نے آج تک موت دیکھی — خبر کیا اسے حد ہے اس زندگی کی
کوئی دن کے ہیں یاں سبھی سنگی ساتھی — نہ ہے باپ رہتا نہ یاں ماں ہی رہتی

جہاں سب یہ ہے ایک دن آنیوالا
یہ ہے باغ کا باغ مرجھانے والا — سمت ۱۸۹۶ بکرمی

برس کوئی دو مول کو اور گذرے — ہوئے عمر کے سال جب سولہ[۱۶] پورے
گئے ناچ میں ساتھ اک دن پتا کے — مہیا تھے واں عیش کے سامان سارے

۱- مہاتما بدھ راجا کے لڑکے تھے روز سیر کو جاتے تھے۔ مختلف نظارے دیکھنے کے بعد ایک لاش کو دیکھا تب سے عبرت ہوئی اور گھر چھوڑ کر جنگلوں میں ابتنے لگے۔ ریاضتوں کے بعد علم حق نصیب ہوا اور بدھ مذہب کی بنیاد ڈالی۔ ۲- زندگی بخشی۔ ۳- پانی کی سبیل۔ ۴- وہ میدان جہاں حسن و حسین پانی کو ترستے مر گئے تھے۔

تماشائی بیٹھے تھے مصروفِ عشرت
کسے بلی نہ تھی بزم کی کوئی لذت

نظر آئی شکل ایک پیغامبر[2] کی۔ وہ قاصد نہ تھا۔ تھا کوئی آلہ برقی
کوئی کان میں آن کے بات ایسی پھونکی گئے سب دہلے گھر رہ گئی بزم پھیکی۔

اٹھا مول بھی باپ کے ساتھ بھاگا
کہاں جائی[3] نے اُسکی ہیضہ کیا تھا

سرہانے کھڑا بھی کے ڈاکٹر ہے کمربستہ خدمت میں سب گھر کا گھر ہے
کوئی دابتا پاؤں اور کوئی سر ہے مگر آہ ہونی کی کس کو خبر ہے

جو بلبل نے دیکھی نہ گلچیں نے شوخی
ننھے سے کلی بن کھلے آہ! ٹوٹی

بچا پہنچنے واں بہن پاتھی روتی۔ وہ گھر کیا تھا ماتم کی تھی ایک بستی
ادھر باپ کو غش پہ غش آرہی تھی اُدھر کوٹتی چھاتی تھی جننے والی

مگر مول سن کر کے ساکت[4] کھڑا تھا۔
نہ ایک آنکھ سے اُس کی آنسو تھا ٹپکا

کہا ماں نے پتھر کا دل مول کا ہے کہا باپ نے دل کہاں۔ لو ٹھنڈا سا ہے

۱- کڑوی۔ ۲- قاصد۔ ۳- بہن۔ ۴- بے حرکت۔

نہ چھاتی میں دل ہے غمِ دل میں دِیا ہے   نہیں بھیگنے کا یہ چکنا گھڑا ہے

کسی کو خبر کیا کہ دِل چُور ہیں یاں
چھلکتے نہیں کیونکہ بھرپُور ہیں یاں

سمت ۱۸۹۹
گزرتی رہی جب عمرِ سب دم زدن میں   برس تین کیا تھے ہوئیں تین پلکیں
گئے دِن گُذر کرتے ننھی کی باتیں   کٹیں یاد میں جاگتے اسکی راتیں

نہ نھا مُول بھولا بہن کی جدائی۔
گھرانے میں پھر دفعتہً موت آئی

چچا جان سے مُول تھا جسکو پیارا   یکایک وہ ملکِ عدم کو سدھارا
نہ اب رہ سکا مُول فرقت کا مارا   نکالا وہ اگلا بخار اب کے سارا

وہ رویا کہ آخر گئیں سُوج آنکھیں
وہ چیخا کہ گھگھی گئی بندھ گلے میں

کوئی دن خیال آیا ہے موت دُشمن   سدا اِسکی رہتی ہی جیتوں سے اَن بن
جہاں میں اجل زندگی کی ہے سوکن۔   سہاگ اُسکا سہہ لے نہیں یہ وہ ڈائن

سبھی اس کے چنگل میں ہیں جبکہ جیواں
تو کیونکر بچے اس سے اپنے بس ہے انساں

۱۔ ایک سانس لیتے میں۔

مگر پھر یہ رہ رہ کے اُٹھتیں ترنگیں - وہ بزدل ہیں جو چھوڑ کے میدان بھاگیں
جو دشمن قوی ہو تو کیا پیٹھ کر دیں؟ ہے مردی تو یہ اپنا دل ہی بڑھائیں

کرینگے ہم اب یوگ کی مشق بن میں -
پچھاڑینگے پھر موت کو دم زدن میں

کسی طرح یہ بات بابا کو پہنچی نہیں مُشک کی بو چھپائے سے چھپتی
کہا مول شنکر گیا بن جو جوگی - تو پھوٹ اسکی مُنہ سہرا کا لاگ بچی

مگر اب یہ رُکنا نہیں روکنے سے
کہ عشق کے اس پہ چھنبوڑ دوڑے

ہے بھنورے کا پنجرہ کنول کی حلاوت قفس اور بُلبل پہ کیا ہے گل کی صورت
جوانی کی زنجیر ہے طوق اُلفت حسین بیوی سے اسکو دینگے محبت

مہیا لگے کرنے سامان شادی
اجازت نہ دی تا پڑھے جا کے کاشی

وہیں پاس گنگا کے ول میں پنڈت تھا رہتا ہوا مول لا چار شاگرد اُس کا -
اُدھر وہ لگن شُبھ قریب آن پہنچا مُکٹ جس میں تھا مول کے سر پہ دھرنا

السلسکر - ۲ - قوت - ۳ - راکھہ جو جوگی جسم پر ملتے ہیں - ۴ - بھنورا ایک پنچھی ہے - جو کنول کا مشتاق ہے جیسے بُلبل پھول کا - یہ اُسکی لذت میں اتنا مست ہوتا ہے - کہ دن رات اسی میں بیٹھا رہتا ہے شام کو کنول کا منہ بند ہو جاتا ہے - یہ بیچارہ ساری رات اُس میں قید رہتا ہے - ۵ - تاج - شادی کے وقت ہندو مُکٹ پہنتے ہیں ٭

وہ دُلہا کو سہرا بندھا چاہتا ہے
وہ ڈورے میں پنچھی پھنسا چاہتا ہے

اِدھر آسیا شنکر بنا پھولا خوشی میں — اُدھر بھی اُدھر چہل پہل تھی موروی میں
تھیں کیا تو تیں بج رہی ہر گلی میں — نظر ڈالنا مُول کے کوئی جی میں

براتی بنے کرنے چلو کی تیاری
ہوا نیم شب[1] مُول شنکر فراری

کہ دیکھیں ہے کتنی بھی دُنیا کی اُلجھن — کرے پیروی کب تلک گھر کا آنگن
ہمیں تنگ ہے ہمدموا صحنِ گلشن ۔ — چلو ماپ دیکھیں ذرا بن کا دامن

نکلتے امیرے گھر کی گلیو! نمستے
میری موروی کے جھروکو! نمستے — سمت ۱۹۰۳ بکرمی

قدم مُول شنکر کا جب گھر سے نکلا — زمیں نے وہیں فرشِ نرگس بچھا
ہوا چشم انجم[2] کو درشن کا چسکا — چھپھولا مٹا دیدۂ[3] مہر و مہ کا

زمانے کی آنکھوں میں گھر کرنیوالا
دیانند سوامی! ترا بول بالا

۱۔ آدھی رات ۔ ۲۔ ستاروں کی آنکھ ۔ ۳۔ سورج اور چاند کی آنکھ ۔ دونوں میں داغ نمایاں ہیں ۔ مراد یہ ہے ۔ کہ مول شنکر کے درشن سے اُن کی آنکھیں روشن ہوگئیں ۔

جانو ویراگیہ ۴ سنیاس سمت ۱۹۰۵ بکرمی

نکلنے کو گھر سے نکل مول آیا۔ کہاں جا کے ان شدھ چیتنیہ پایا
کبھی دو قدم پہلے گھر سے نہ نکلا پھر اس پر تھا لڑکا بڑے آدمی کا
ذرا چھوٹے شہر ۲ کو اس خطر سے
مبادا ہمیں جان پہچان والے
بھگتوں نے لوٹا اسے جھانسہ دیکر پہنتے ہیں تیاگی کبھی سونے کے زیور
پھٹکار ریشمی وستر پہنا دیئے ہیں بیراگی کے ہاتھ سے لی اوڑھ چادر
کسی برہمچاری نے چیلا بنایا
لقب مول نے شدھ چیتنیہ پایا
گئے سدھ پور ہیں کہ میلے کے دن تھے سنا ہیں وہاں اچھے جوگی براجے
اسی دھن میں تھے چھوڑ کر گھر کو نکلے چرن خوب ول چھانی سنتا کے دھوتے
خبر باپ کو لگ گئی مول والا ہو
ہر اک سنت سادھو کی پیچھے دواں ہے

۱۔ جس نے دنیا کو ترک کیا ہو۔ تارک۔ ۲۔ ایک قسم کے سنیاسی۔ ۳۔ مجرد رہنے والا۔ ۴۔ سرتا ہنس۔ ۵۔ پائل۔ ۶۔ دھیان(مول) یعنی عابدوں کی ٹولی۔ ۷۔ دوڑ رہا ہے۔

یکایک وہاں آ پہنچے بجلی کی صورت   ملی ڈھونڈتے ڈھونڈتے موہنی مورت
نہ روکا گیا دل سے جوش طبیعت   ہویدا ہوئی آگ بن بن کے الفت

کہا تم ہیں وال گھل کے مرتی ہے میّا
ہیں یاں برہمچاری بنے پھرتے بھیّا

ڈرا مول رہا اور باپ کے ساتھ آیا   لگایا کڑا باپ نے اُس پہ پہرا
مگر خوب چوکس یہ دھن کا دھنی تھا   بچی پاسباں کی نظر اور بھاگا

درخت ایک بڑ کا تھا مندر کے اوپر
رہے دم بخود اُس کی شاخوں میں چھپ کر

گئے لوٹ جب پاسباں واں سے سارے   کلس سے سرِ شام مندر سے اُترے
بہت دیر گو گرچہ تھے بھوکے پیاسے   نہ ٹھہرے مگر پکڑے جانے کے ڈر سے

لب نربدا پھر ہوا اُن کا ڈیرا
سُنا ایک جنگل تھا واں سادھوؤں کا

جہاں بیٹھا پایا کوئی پورا دھیانی   وہیں لے لیا اُس کے چرنوں کا پانی
جو جھگڑا کسی سے نہ تھی جس کی بانی   کہ بنتے ہیں گیانی کی سیوا سے گیانی

تھے ویدانت کے راز جو جو نرالے

۱- توہین ۔ ہتک ۔ ۲- بہارف ۔ ۳- ویاس منی کا بنایا ہوا شاستر ۔ اس میں پرماتما کی ہستی صد ۳۸

سے لئے بڑھ وہ ست سنگیں سادھو نکلے

ابھی مول کی تھی امنڈتی جوانی — نہ دھیان تھا پکا نہ پورا تھا گیانی
خیالات کی تھی انوکھی روانی — لوا دھو لے نے سنیاس لینے کی ٹھانی
کہا ہے جو روٹی پکانے کا جھگڑا
یہ سنیاس لینے سے آخر مٹیگا۔

ہے سنیاس کیا دکھ ہیں اور روگ لگانا — قدم تیغ کی دھار پر دھر کے چلنا
نہ ہرگز مچلنا۔ نہ ہرگز پھسلنا — پرائی چتا پر چڑھ کے آپ جلنا
ادھر توڑنا بندھن سب خانماں کے
اُدھر باپ بن جانا سارے جہاں کے

جو سنیاسی اک بار انہیں دیکھ لیتا — امنڈتی جوانی کو شاباش کہتا
نہ سنیاس دینے کا پر نام لیتا — یہی کہتا ان سے ابھی کھیلو بیٹا!
مگر روکتا کون دُھن کے دھنی کو
کیا آخر آمادہ اک دھشتی کو

بقیہ صفحہ ۳۹ صفات اور ناموں پر بحث کی گئی ہے۔ آج کل کے ویدانتیوں نے اس کے آگے سیدھے معانی چھوڑ کر ہمہ اوست کا مسئلہ جاری کیا ہے۔

۱۔ انسانی زندگی کا چوتھا حصہ۔ جس میں انسان دنیا سے فارغ ہو جاتا ہے *

۲۔ سنیاسیوں میں رسم ہے کہ کوئی سنیاسی بننا چاہے۔ تو کسی سنیاسی سے سنیاس لے *

۳۔ سنیاسیوں کا ایک فرقہ جو دکن کا رہنے والا ہے *

برت تین دن شُدھ چیتن نے رکھا ۔ دیا اچھائی چہرے پہ آنند برسا

گُرو نے دیانند نام اُن کو بخشا ۔ ہوئے نندن لال شنکر کے سب بشنت ودیا

کیا جس نے سنیاس کا رتبہ اعلیٰ

دیانند سوامی اُسی کا بول بالا

سمت جوانی ۵ - جوگی کی موج سمت ۱۹۱۴ بکرمی تک

دیانند شہزادہ اپنے من کا تھا ۔ وہ مالک تھا مختار ہر دو سرا تھا

یہ راج اُسکے آگے بھلا مال کیا تھا ۔ شہنشاہ اُس کی نظر میں گدا تھا

زمین آسماں اُسکے چرنوں میں خم تھے

بنے خادمِ خدمت میں حاضر درندے پرندے

پہاڑوں میں اُس کا کبھی دور دورہ ۔ کبھی اُس کا تھا کوہ و میدان میں ڈیرا

کبھی سر پہ جھرنے کے جا گاڑا جھنڈا ۔ لبِ جُو کبھی ناچ کرنوں کا دیکھا

۱- جسم - ۲- سر پر - ۳- دیانند کے آنے سے پہلے جس کا دل دنیا کے کام میں نہ لگتا ۔ جس کا جی محنت سے چرا جاتا ۔ جو گھر کے کاروبار نہ سنبھال سکتا ۔ جھٹ بھگوا کپڑے بدل کر سنیاسی ہو بیٹھتا ۔ بس پھر کیا تھا ۔ مزا آ گیا ہی آنند ۔ بھیک مانگ کر گذارہ کیا ۔ ساری دنیا اُن کے آگے سر جھکاتی ہے ۔ جو خوشامد چاہیں کر لیں ۔ بھگوا کپڑے ہیں اُن کی پیر ہے ۔ ۴- جب جوگی سچے آزادی کے اصول پر قائم ہو جاتا ہے ۔ تو ساری دنیا اس سے پیر چھو دیتی ہے ۔ شیر اور ریچھ خدمت کرتے ہیں ۔

۵- ندی کے کنارے ۔

گئے، اُن کا دروازہ جا کھٹکھٹایا   یہ کون آیا ؟ کُٹیا سے ونڈی نے پوچھا
کہا، ہُوں دیانند، چرنوں کا بھُوکا   بہت ڈھونڈتا ہوں نہیں گیانی مِلتا

دریچہ کُھلا، پائے ونڈی کے درشن
دیانند کی ہو گئیں آنکھیں روشن

گورُو نے یہ پُوچھا۔ کہو جب تم نے   کہو آج تک کیا رہے پاٹھ پڑھتے
دیانند نے نام لے کر کُتب کے   کہا اِن کا مضمون ہے سینے میں میرے

گورو مسکرا کر لگے کہنے بیٹا!
نہیں کام کا ایک بھی اِن میں پوتھا[۱]

گنا تم نے پنڈت جو سارسوان[۲] میں   سُنو تم کو کرتوت اُس کی سنائیں
کبھی ہانکتا پنڈتوں میں تھا گپّیں   غلط بول کر خوب چلتا تھا چالیں۔

ہوا جب نہ اِک لفظ کا روپ[۳] پیدا
غلط ویاکرن[۴] کا بنایا یہ پوتھا

نمونہ ہے چندّ کا پنڈتوں کی۔   کتابیں جو لکھتے رہے اُلٹی سیدھی
نہ پوچھ اِن میں کیا کیا بھری ہے بُرائی   یہ جھوٹوں[۵] کا تھیلا ہے گیّو گی گٹھڑی

۱۔ کتاب ۔ ۲۔ اِن صاحب نے صرف و نحو کی ایک کتاب لکھی ہے ۔ ۳۔ شکل ۔ ۴۔ صرف و نحو۔
۵۔ رشیوں کے اصولوں کے خلاف جو کتابیں خود غرض لوگوں نے لکھیں ۔ وہ ویدک دھرم میں بدعت ہیں +

جو ہو جانا تم کو رازِ حقیقت
کرو نذرِ جمنا یہ طوفانِ بدعت

کڑا حکم سُنکر یہ ونڈی گورُو کا — گیا سُوئے جمنا دیانند سیدھا
کہا ہیں کتابیں ہی اک اپنا تن کا — یہ کہتے ہیں ۔ ان کو کرو غرقِ دریا

سہیں آجتک کھوج میں انکی کڑیاں
گذاریں مصیبت کی سٹا انکے گھڑیاں

کبھی انکو غربت کا ساتھی بنایا — کبھی دِل کا خلوت میں دُکھڑا سُنایا
کبھی رو کے سینے سے اپنے لگایا — جو نیند آئی ان کو سرہانے سُلایا

یہی آجتک تھیں ہری سنگی ساتھی
کروں آج کیونکر میں پتھر کی چھاتی

اُدھر تھا گورُو کا یہ ارشاد پہلا — جو مانیں تو بہتا ۔ نہ مانیں تو بہتا
جو برسوں کی محنت تھی کی نذرِ دریا — اُٹھے بلبلے ناچتے باندھے گھیرا

گورُو کا بچن جس نے جی جاں سے پالا
دیانند سوامی! تیرا بول بالا

۲- مصیبتیں - اُن دنوں چھاپا خانہ نہ ہونے سے کتابیں ملنا بہت مشکل تھا بالخصوص سنسکرت کی - ۳- پردیس - بے وطنی - ۴- تنہائی - ۵- آفت +
ع۱ کے لئے دیکھو صفحہ گذشتہ نوٹ ع۵
صہ۳۴

رشی رِن

منتھن - ۸   سمت ۱۹۱۷ سے سمت ۱۹۱۹ بکرمی

گرو کی سدا ٹہل کرتے ہیں چیلے — گرو کا بچن سر پہ دھرتے ہیں چیلے
گرو جو کہے کر گذرتے ہیں چیلے — گرو کی قضا آئے۔ مرتے ہیں چیلے

سب اعزازِ دنیا۔ سب اعزازِ عقبیٰ
گرو کے چرن کا سراسر ہیں صدقہ

گرو دیو جمنا کے جل سے نہاتے — دیانند گاگر لئے دوڑے جاتے
منوں پانی سنجدہار کا روز لاتے — نہ گھبراتے نہ تھکتے نہ جھجکچاتے

گرو نے کبھی طیش میں لات ماری
تو جانا اُسے نیچے خود ٹانگ اٹھی۔

کئی دن تھا بھوکے نے چنوں پر گذارا — ملا کچھ تو روزی نہیں تو ہے روزہ۔
دیا سے پچھل گرستی ایک جاگا — لگا ان کا کرنے سدا گھر پہ بیٹھا

ا۔ رشی کا قرضہ۔ ہر ایک آدمی پر تین قرض ہیں۔ ایک پتری رِن یعنی آباؤ اجداد کا قرضہ یہ قرضہ نیک اور تندرست اولاد پیدا کرنے سے ادا ہوتا ہے۔ دوسرا دیو رِن یعنی قدرت کی قوتوں کا قرضہ۔ یہ ہون وغیرہ سے ہوا۔ پانی وغیرہ کو صاف رکھنے سے ادا ہوتا ہے۔ تیسرا رشی رِن یعنی رشیوں کا قرضہ۔ یہ ویدوں کے پڑھنے پڑھانے اور ان کی اشاعت کرنے سے ادا ہوتا ہے۔ ۲۔ خدمت۔ ۳۔ حکم۔ ۴۔ پرلوک۔ ۵۔ غصہ۔ ۶۔ فاقہ کشی۔
۷۔ راست بازہ۔ یہاں مراد دانی سے ہے۔ وہ دانی مہاشہ امرلال تھے۔
۸۔ دعوت ٭

کوئی دیتا شب بھر کی بتی کا روغن
کوئی دودھ کا بھر کے دے جانا باسن

سبق میں نہیں لگتی دلائل کی جھڑیاں
اِدھر تیز حجت اُدھر صاف بہانیں

تھے اُستاد شاگرد مصروف جولاں
تماشائی کٹھا کے سارے سبق خواں

اڑھائی برس تک یہ ہمیریاں تھیں
چمکتی ذکا کی شرار ریزیاں تھیں

ہوئی جب مطالب کی تحصیل پوری
گورو سے لگا مانگنے چیلا چھٹی

کہا لا کے چرنوں میں لونگوں کی جھولی
گورو دیو ہے نذر نا چیز میری

چرن چشم تر سے رشی کے بھگو کر
کہا جان قربان اس پاک در پر

اُٹھا کر گورو نے گلے سے لگایا۔
کہا میری آنکھوں نے نور آج پایا

ہوا بارور آج تک کا پڑھایا
دیانند سوامی کو چیلا بنایا

قبول اوں مگر نذر لونگوں کی کیوں کر
کہیں ہیرے دیکر بھی لیتے ہیں پتھر؟

۱۔ اُن کے تیل کے لئے ماہوار ایک گورددھن صراف دیا کرتے تھے۔ ۲۔ ہردیو جٹھو مل سوامی جی کے دودھ کے لئے دو روپے ماہوار دیا کرتے تھے۔ ۳۔ برتن۔ ۴۔ دلیل۔ ۵۔ دلیل۔ ۶۔ گھمسان۔ یہاں مراد علمی بحث سے ہے۔ ۷۔ گھڑ دوڑ۔ ۸۔ ترقی کرتے ذہن کی چنگاریاں چھوٹ رہی تھیں۔ ۹۔ جو پڑھنا تھا پڑھ چکے تھے۔ ۱۰۔ چرن

بڑی بات کیا ہے جو جاں نذر کر دو   جو ہیں جسم میں ہڈیاں نذر کر دو
جگر کر دو اور دل بھی ہاں نذر کر دو   جو رکھتے ہو زورِ زباں نذر کر دو
بڑھاپا بھا کیا تم کو لوگوں کی خاطر؟
نہیں! چیلا بولا - یہ لو! سر ہے حاضر!

یہ سُنکر جواب انکا ٹھنڈی تھی خندا   محبت نے باندھیں اشکوں کی جھڑیاں
مگر پھر ہوئے آہیں بھر بھر کے نالاں[۱]   کہ ہے! ہے! امیر آنند کھیں غلطاں[۲]
یہاں پیٹ بھر ملتی روٹی نہیں ہے
کوئی جھوٹ سچ کی کسوٹی نہیں ہے

یہاں بے خدا پھر رہی ہے خدائی   نہ ہے باپ اپنا نہ اپنی ہے مائی۔
دھرم کی دوہائی! دھرم کی دوہائی!   ہے دُھن کُفر کی سب دلوں میں سمائی
کہیں جھوٹ نے انکے پُرزے کیے ہیں
کہیں جھوٹ نے حصے ٹکڑے کیے ہیں

وہاں دین ہارے دھرم لُٹ رہا ہے   یہاں مست موجوں میں بھٹکا خدا ہے[۳]
وہاں نت نئی سر پہ آفت بپا ہے   یہاں[۴] کام کرنا قسم ہو گیا ہے۔

۱۔ رونے لگے۔ ۲۔ لوٹتا ہے۔ ۳۔ نوین ویدانتی اپنے آپکو برہم یعنی خدا مانتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ بھرم یا دھرم نہیں ہے مگر جیو یعنی روح انسان اور حیوان ہو گئے ہیں۔ ۴۔ ویدانتیوں کا مسئلہ ہے کہ مکتی گیان سے ہی ملتی ہے۔ کرم یعنی کام کرنا اس میں رکاوٹ ہے۔ اُن کا بڑا المعراج نکما ہونا ہے۔

جہاں میں نہیں وید کا نام باقی
برہمن کو ہے چین سے نیند آتی
مری جاں! تو جا اِن مردوں کو جگا دے — انہیں جینے ٹھاکر کا درشن کرا دے
مٹا بھید[1] ویدوں کی گھٹی پلا دے — گنوا جان اپنی، جہاں کو جِلا دے
یہی چاہتا نذر ہے تجھ سے سوامی
مٹا میرے بھارت کا داغِ غلامی!
گرو کی ہوئی جب یہ تقریر پوری — دیانند نے اٹھ کے گردن جھکا دی
کہا ہے گرو کا بچن پاک شرتی[2] — کُٹی ہل گئی اس سے شاباش نکلی
رِشی رِن کا جس نے فنا عُول ڈالا
دیانند سوامی! ترا بول بالا۔

۹- وید کی جھنڈی

ہردوار — سمت ۱۹۲۴ بکرمی

ہردوار میں یوں تو ہے روز میلا — لگا جاترا کا ہے ہر وقت تانتا
مگر کمبھ[3] کا کچھ الوکھا ہے نقشا — نہیں جس کا ثانی زمانے نے دیکھا

۱- فرق۔ تفریق۔ مراد یہ کہ فرقوں کے امتیاز اڑا کر سب کو وید کا معتقد بنا۔
۲- وید کا بچن۔
۳- ہر بارہویں سال بیساکھی کے دن یہ میلا لگتا ہے۔

مُقدّس ہے گنگا کی ہر اک بساکھی۔
یہ بارہ برس میں ہے اک بار آتی۔

جمع ہوتے ہیں لکھ پتی جاترا پر | ہیں لاکھوں اُڑاتے سبھی جاترا پر
پہنچتے ہیں کیا کیا جتی جاترا پر | الٹ پڑتے ہیں بدعتی جاترا پر

سبھی بیٹھ جاتے ہیں استھانوں والے
بناتے ہیں لاکھوں دِوالے شِوالے

اکھاڑے ہیں سنیاسی ہر سُو لگاتے | اُداسی الکھ کی ہیں دھونی جماتے
ہیں جوگی جگت کے کرشمے دکھاتے | بیراگی ہیں بیراگ کا راگ گاتے۔

الف ننگے باگے یہاں پھر رہے ہیں
گنہ دھونے آئے یہاں مُرٹے ہیں۔

کہیں ان میں پہلے نہانے پہ جھگڑا | کہیں ڈیرا ڈنڈا جمانے پہ جھگڑا
کہیں ہر کی پوڑی پہ جانے پہ جھگڑا | کہیں بھینٹ پوجا چڑھانے پہ جھگڑا

یہ ہیں پاک دُنیا کی آلائشوں سے!
نہیں کام انھیں بھوگ کی لذّتوں سے!

۱۔ رشیوں کے اعتقاد کے خلاف جو تقلید ہے بعد میں خود غرض لوگوں نے وضع کئے ہیں وہ بدعت ہیں۔ جو انھیں مانتے ہیں یا منواتے ہیں وہ بدعتی ہیں۔ ۲۔ سنیاسیوں کا ایک فرقہ۔ ۳۔ ترک۔ ۴۔ ایک فرقہ جو کپڑے نہیں پہنتا۔ یہ بے شرمی کی انتہا ہے۔ ۵۔ ہردوار پر گنگا میں نہانے والے کہتے ہیں کہ یہاں اشنان کرنے کا ثواب خاص ہے۔

یہاں گرم بازار ہے راہزن کا۔ بڑا داؤ ہے چل رہا برہمن کا۔
کہیں پیسہ لیتا ہے جھوٹے بچن کا کہیں مول لڈو ہے میٹھے سخن کا
کہیں سر پہ پنڈا کہیں ہے پجاری
لٹی روز روشن میں مخلوق ساری
جنہیں ہر کی پوڑی ہے مکتی کا زینہ اُنہیں ایک ہے آج کا مرنا جینا
جو لوٹے تو پرلوک کا ہے خزینہ مرے تو ہے گنگا میں اپنا دفینہ
اُنہیں پھر نہیں اور نرک جانیکا ڈر کیا
سدھر جائیگا لوک پرلوک اُن کا
جو ہیں ہر کی پوڑی پہ ڈبکی لگاتے رشی کیش اکثر ہیں اُن میں سے جاتے
یہاں پاپ گنگا کے ہیں سر چڑھاتے ہیں لہراتی جھنڈی کو واں سر جھکاتے
تلے جس کے ہے ایک ڈنڈی کا آسن
لکھا ہے پھریرے پہ پاکھنڈ کھنڈن
وہ کہتا ہے سچ ہاڈ کی پوہڑیوں سے نہیں ملتی مکتی تجھے ہڈیوں سے

۱- ہردوار کے برہمن بھنڈے کہلاتے ہیں۔ یہ جاتریوں کی خوب حجامت بناتے ہیں۔
۲- ہردوار سے مشرق کی طرف سادھوؤں کا مقام ہے ۳- سوامی جی نے کنبھ کے موقع پر ایک کٹی اب گرا دس کے اوپر ایک جھنڈی لگا دی تھی۔ جس پر لکھا تھا: پاکھنڈ کھنڈنی پتاکا یعنی جھوٹ کو چھپنے والی جھنڈی ۔ ۴- ہر کی پوہڑی کو سوامی جی ہاڈ کی پوہڑی کہتے تھے۔ ہندوؤں میں رسم ہے کہ ہر ایک مرنے والے کی ہڈیاں اس مقام پر گنگا جی میں ڈالتے ہیں اس سے نام موزوں تھا۔

ہے گنگا بھری گندگی کے نلوں سے — ہر بدکار کے پاپ کی نالیوں سے

بدن صاف پانی سے ہے صاف ہوتا

دل اشکِ[1] نہانی سے ہے صاف ہوتا

تو رو دیکھ کر اپنے اعمالِ بد کو — بہا گنگ توبہ کی دھولے خرد کو

برائی تری پہنچی ذلت کی حد کو — ذرا دیکھ تو اپنی داد و ستد[2] کو

تھا سب لگے مانگنے تجھ سے بھیکھا

تو گنگا میں فرد اپنا ہے دھوتا پھرتا

کہِ و مہ[3] تھے سیوا میں تری کی آتے — سمجھ ارست سنگ کا لطف اٹھاتے

وہ کم تھے جو گر دھرم کا سیکھ جاتے — کھڑے پیچھے یونہی داڑھی ہلاتے

جو دیکھا نہیں پاپ کی رکتی گنگا۔

جتی راج[4] لاچار چپ ہو کے بیٹھا

یکایک جو ڈٹی ہوا مون[5] دھاری — تو لہرا کے جھنڈی پکاری ہیں وارنگی

۱- چھپ چھپ رونا۔ گناہوں پر آنسو بہانا - ۲- لین دین - ۳- بڑے چھوٹے +
۴- حواس پر قابو رکھنے والا جتی کہلاتا ہے جتی راج کے معنے جتیوں کا راجہ۔ یعنی برہمچاری
۵- خاموشی - رشی اداس ہو کر چپ بیٹھے تھے - اتنے میں ایک اہل پران تشریف لائے - اور بھاگوت کا وہ شلوک پڑھا - جس میں وید کی مذمت اور پوران کی تعریف کی گئی تھی - سوامی جی سنتے ہی چونک پڑے - اور فوراً اس کی تردید کی - بچار کر کہ کنبھ جیسی بد مذہبی کے طوفان کو رد کرنے کے لئے اور ریاضت کی ضرورت ہے - جنگلوں میں چلے گئے اور ڈیڑھ برس تپسیا میں مصروف رہے +

تو اُپدیش کی اپنے کر گنگ جاری
ابھی تیرے پیچھے لگی خلق ساری
تجھے کہتے ہیں وید کی جھنڈی والا
دیانند سوامی! ترا بول بالا

سر نمبر ۱۰ — لے تلوار کا بُت شکن

ماگھ سمبت ۱۹۲۴

لیا کنبھ کا دیکھ سوامی نے میلا
جو ٹوٹے تو تھے غم کی صورت سراپا
وہ میلا تھا کیا؟ ایک بھارت تھا چھوٹا
تھا عصیاں میں اک ملک کا ملک ڈوبا
سیہ پوش گنگا تھی ماتم میں اس کے
ہمالہ کی آنکھوں سے آنسو تھے گرتے
کہا۔ روگ کہنے سے مٹتا نہیں ہے
یہ روگی کبھی کا اجل کے قریں ہے
فلک اسکی حالت پہ اندوہگیں ہے
اسے دیکھکر خاک بر سر زمیں ہے
چلو کوئی دن اس کے دُکھڑوں پہ روئیں۔
جو بگڑے ہیں زخم ان کو اشکوں سے دھوئیں

۱۔ نصیحت۔ وعظ

۲۔ محمود غزنوی بُت شکن مشہور ہے۔ اُس نے تلوار کے زور سے بُتوں کو توڑا تھا۔ اس سے ظاہری کامیابی ہی۔ حقیقی اعتقاد نہیں بدل سکتا۔ سوامی جی دلائل کے زور سے لوگوں کے دلی بُت توڑا دیتا تھا۔ سوامی کی صداقت کے قائل ہو کر لوگ بتوں کو دریا میں ڈال آتے۔ ۳۔ گنگا کا رنگ نیلا نظر آتا ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ بھارت کے ماتم میں اُس کا یہ پیرہن سیاہ ہے۔ ۴۔ مرنے کے قریب۔ ۵۔ سر پر خاک ڈالے ہوئے۔ زمین کی قدرتی صورت شاعر کے خیال میں بھارت کے ماتم کی ... ہے۔

بکایک جو سینے میں بیراگ[1] جاگا — وہیں چھوڑا سب جسم کا پیار الٹا
کہا جوگ[2] ہے ایسے روگی کا چارہ — یہ بدھی سے ہوگا ریاضت کی اچھا

تڑپ کر کبھی سوتے تھراتے جاتے
لبِ گنگ[3] اشکوں کے دریا بہاتے

ہوئی بیخودی اسقدر غم میں طاری — کہ تن من کی سب اپنی سدھ بدھ بھلا دی
جہاں لیگئی دن ڈھلے بیقراری — وہاں جا کے کاٹ دی رات ساری

رہا جلتی ریتوں پہ گرمی میں آسن
چبائے کڑی بھوک میں کچے بیگن

تھے افکار میں گرچہ غلطاں رہتے — وطن کے الم میں پریشان رہتے
سدا کرتے بھگوان کا دھیان رہتے — سدا طالبِ رحم رحمان رہتے

مشقت کی اسواسطے کرتے عادت
کہ مصلح[4] کے حصے پڑی ہے مشقت

ہوئے مشق سے جب یہ ریاضت[5] میں پختا — جلال انکی صورت سے تھا کیا ٹپکتا
تھا کندن سا نورانی چہرہ چمکتا — کوئی آنکھ بھر کر نہ تھا دیکھ سکتا

۱- ترک کا خیال۔ ۲- ریاضت۔ ۳- گنگا کے کنارے۔ ۴- اصلاح کرنے والا۔ ایسے انسانوں کی قسمت میں راحت کی زندگی نہیں ہوتی۔ ہمیشہ تکلیف سہنی ہوتی ہے۔ ۵- یوگ۔

لگے خوب اشاعت صداقت کی کرنے

دم محبت کا دوست دشمن کی بھرنے — سب چپ چاپ

کسی کے گلے میں تھا طوقِ جہالت[1] کسی کے ماتھے پہ داغِ ضلالت[2]

بدن پر کسی کے تھا نقشِ بطالت[3] نشاں کفر پر سب تھے کرتے دلالت[4]

دیانند نے کنٹھیاں دیں اُتروا

مٹائے تلک کر دیئے چکر عنقا[5]

بڑی مندروں میں تھی اِک طرفہ ہلچل تھا بیتاب پنڈت پجاری تھا بیکل

کریں کیا زباں شرم سے تھی مقفّل دیانند کے آگے بھولے تھے چھل بل

مناظر بڑے ٹھاٹھ سے گھر سے آتے

پہنچتے ہی یاں چوکڑی بھول جاتے

کوئی ماہر او لبھ تھے مشہور گیانی۔ تھی اُن کی زباں میں غضب کی روانی

وہ گنجِ معارف تھے بحرِ معانی۔ تھے ازبر[8] انہیں سب علومِ نہانی

بتوں کو دیانند کے رکھکے آگے

کہا اِن کو لگواؤ تم بھوگ تم سے

۱- جہالت کی ہنسلی۔ کنٹھیوں کی طرف اشارہ ہے۔ ۲- گمراہی کا ٹیکا۔ تلک کیطرف اشارہ ہے۔ ۴- چکرانکتوں کا فرقہ اپنے جسم پر کئی قسم کے نقش کھدوا لیتا ہے۔ اُن لوگوں کا معراج نکما دھندا ۵- اِن نشانیوں میں سے کوئی شاستر کے مطابق نہیں۔ ۶- گم ۔ ۷- برہم ودیا کا خزانہ تھے۔ ۸- یاد۔ حفظ۔

کئی دن چلی اُن میں شمشیرِ بُرّانِ[۱] رہا نقل[۲] اور عقل کا گرم میداں
حقیقت ہوئی جوں دمِ تیغ[۳] رخشاں نہ باقی رہی قالبِ[۴] وہم میں جاں
بہت عرصہ یوں دے دِلا کر دلائل
ہُوا بیڑا اوس یہ صداقت کا قائل

سنگھاسن سے فوراً بُتوں کو اُٹھایا عبث ہفتہ بھر اُن کو بھوکا بٹھایا
اُنہیں گنگ میں بار آخر نہلایا یہ آواز نکلی جو دھم سے گرایا
بُتوں[۵] کو سنگھاسن سے ڈھا دیجیو
دیانند سوامی! تیرا بول بالا۔

۱۱- پان کا بیڑا

رنگ نیپ ۔ بھادوں سمت ۱۹۲۴ بکرمی

برہمن کوئی ایک دن پاس آیا رشی کے لئے پان کا بیڑا لایا۔
رشی نے اُسے پاس اپنے بٹھایا بڑے چاؤ سے پان نے کر چبایا
گئے جان فوراً رشی ذائقے سے۔
کہ ہیں اس میں زہرِ ہلاہل کے قطرے

۱- دلیل کی تلوار ۲- جو عقیدہ پُرانا چلا آئے اُسے نقل کہتے ہیں۔ ۳- تلوار کی دھار۔ ۴- جسم ۵- تخت۔ چوکی۔ ۶- ایسے واقعے سوامی جی کی زندگی میں بیسیوں ہوئے ہیں۔ سینکڑوں بُت آپکی تلقین سے گنگا میں بکتی دھام کو پہنچے ہیں۔ اندروں نے پتھر کے بُت توڑے۔ میرے سوامی نے غلط خیالوں کے۔ بیہودہ توہمات۔ بُھر رسومات کے سب بُت توڑے۔

وہیں پاس گنگا کے بہتی تھی گنگا گئے اور قے کر کے بیڑا نکالا
کیا یوگ سے صاف آنتوں کو دھو کر نہ باقی رکھا سم قاتل کا کھٹکا

بڑی جمعیت سے گئے پھر پڑھانے
برہمن تھا پہلے ہی غائب گئی سے

خبر پاگئی شہر میں خوب شہرت کہ کی موذیوں نے شقاوت کی حرکت
جو دیتا ہے ہر روز حضرت کی دعوت گئے زہر دینے اسے اہل بدعت

تھا تحصیلدار اک مسلمان وہاں کا
دل معتقد جو گئے نکتہ داں کا

ہوا حسب دستور خدمت میں حاضر کہا سائیں پکڑا گیا ہے وہ کافر
جو ہو حکم کیجئے یہی خادم کا منشا ہے کھینچے کو بدذات کا دار پر سر

یہ روداد سنکر رشی تلملائے
وہیں طیش میں باہر آپے سے آئے

کہا ہم ہیں بندوں کو آزاد کرتے نہیں قید پر سب ایذا د کرتے
نئی طرز الفت ہیں ایجاد کرتے ہیں بدخواہ کو پیار سے یاد کرتے

۱۔ جوگی آنتوں میں پانی پہنچا کر انہیں صاف کر لیتے ہیں ۲۔ موت لانے والی زہر ۳۔ کمینہ پن کی ۴۔ آپ دشمنوں کے ذریعہ حیات جاوید بخشتا ہے ۵۔ مرنے والا دوں کا راہی ۶۔ سولی

سُنی گفتگو جب یہ مردِ خدا کی
رگِ پھر سیدِ محمد کی پھڑکی

گرا پاؤں پر اُٹھ کے فوراً رشی کے
کہا ہم بھی مشتاق ہیں مخلصی کے

رکھا پھر جو باہر قدم اُس گتی کے
بنے گن گاتے آزاد جو نکلے مُکتی کے

اسیروں کو زنداں سے جس نے نکالا
دیانند سوامی ایشر ابول بالا

سرنیٹھ ۱۲ - شمشیر شکن جیٹھ سمت ۱۹۲۵

کرنواس میں تھے مہاراج اُترے
بڑی دیر میں بھاگ نگری کے جاگے

سحر شام ہر روز اُپدیش دیتے
سدا وید کی تازہ گنگا بہاتے

کرن سنگھ ٹھاکر کے سسرال تھے والی

وہ آکر لگا کرنے میلے کا ساماں
بڑے چاؤ سے گھر کا آنگن سجاتا
سدا راس کا رنگ اُس میں جماتا

۱- تحصیل دار کا نام سید محمد تھا - ۲- رہائی پانے کے - آزادی پانے کے - ۳- گیان دھیان میں رہنے والا - رشی - ۴- یوپی میں گنگا کے کنارے ایک مقام ہے ۔ ۵- کرشن اور گوپیوں کا ناچ - ویشنو فرقے کے لوگ اس میں کرشن کی بھگتی سمجھتے ہیں ۔

پو۔ محسن

بڑے پنڈتوں کو سبھا میں بُلاتا ۔ کنہیا کو رادھا کے پیچھے نچانا ۔

بُلا بھیجا اِک دِن رشی کو سبھا میں
مہاراج لیلا کی شوبھا بڑھائیں

رشی کو ہوئی سُن کے پیغام نفرت ۔ کہا ۔ ہم سمجھتے ہیں لیلا کو بدعت
لگے کرنے مُورکھ بزرگوں کی خست ۔ نہ تھی ناچ کی کرشن یوگی کو عادت
حمیت کی گر یُوں نہ ہو رگ پھڑکتی ۔

بہو بیٹیوں کو نچا دیکھو ابھی

سُنا جب یہ ٹھاکر نے فرماں رشی کا ۔ وہیں صورت بحر طغیاں میں آیا
سُنا دوسرے دن ۔ ہے اُپدیش ہوتا ۔ گرجتا ہوا اُن کی کتھا میں پہنچا ۔
سُنا کر رشی کو بہت اُلٹی سیدھی
کہا موت آئی ہے سنیاسی تیری

رشی اُس کو سمجھاتے بیٹھے بچن سے ۔ کہ بس راؤ جی ! یہ نہیں لچھن اچھے
پڑے کیوں بڑی ہو عزت کے پیچھے ۔ ہو کہتے جسے مال اُسے ہو نچاتے

۱ ۔ کرشن ۔ رادھا اُن کی سہیلی تھی ۔ اس کا نام اُن کتب میں آتا ہے ۔ جہاں کرشن کی پاک زندگی کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ پرانی تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں
۲ ۔ سوانگ ۔ راس ۔ ۳ ۔ رونق ۔
۴ ۔ بدعت ۔ اپنے دھرم کے خلاف نئی بدرسم ۔
۵ ۔ بے عزتی ۔ ۶ ۔ غیرت ۔
۷ ۔ سمندر کی طرح جوش میں آیا ۔

نکالی مگر راؤ نے تیغ دو دم[1]
کہ سائیں! چلو تم بزرگوں کے پیہم[2]

جو دیکھا رشی نے نہیں راؤ ٹلتا — نہیں اُس پہ جادو محبّت کا چلتا
ہے بیہودہ غصّے میں جلتا اُبلتا — ہے گالی پہ گالی برابر اگلتا

اُٹھے اور لی چھین شمشیر اُس سے
زمیں پر جو ٹیکی تو تھی چار ٹکڑے

کر لو اس جب دوسری بار آئے — تو ٹھاکر نے جاسوس اُن پر لگائے
کہ جب نند سوامی کو بیخود سُلائے — تو پرلوک کی صبح اُس کو جگائے[3]

گئے پاس سوامی کے دو بار قاتل
مگر تیغ ہلنے سے پہلے رُکا دِل۔

انہیں راؤ نے تیسری بار بھیجا — کہ جوگی کا اب کے نکال آنا بھیجا
تھی تقدیر برہنی تو کوشش کئے جا — کرے وار جوگی پہ کس کا کلیجا

جو ”ہوں“ کہہ کے جوگی نے اک لات ماری
ہوئے چھوڑ کر تیغ قاتل فراری
پسینہ پسینہ تھے دہشت کے مارے — گرج شیر کی سُن کے بیخود تھے پارے[4]

۱۔ دو دھار کی تلوار۔ ۲۔ پیچھے۔ قدم بقدم یعنی جہاں بزرگ تم سے پہلے پہنچ چکے ہیں۔ وہاں تم بھی جاؤ۔ ۳۔ نیند کی حالت میں قتل کر دو۔ ۴۔ ہرن مسکین جانور ہے ۔

ہنسے کھلکھلا کر فلک پر ستارے فرشتوں سے ہم نشنم ہو کر پکارے

نہ شمشیر چلتی ہے جس پر نہ بھالا

دیانند سوامی! ترا بول بالا

سرنور ۱۳- بڑھیا کو گایتری اُپدیش — سمت ۱۹۲۴ بکرمی

بھرا تھا زباں میں مہرشی کی جادو تھے سُن سُن کے سب شہر کے شہر لٹو

کئی کافروں کو پہنائے جنیئو کیا آریہ اُن کو جو پہلے تھے ہندو

دیا پاک اُپدیش گایتری سب کو

کہ ہے وید کا عطر۔ یاد اس کو کر لو

شہرن میں کہیں پیر زال ایک آئی تھی نوّے برس سے بڑی عمر اسکی

کہا کوئی اُپدیش دیجے مہرشی کہا۔ وِرد گایتری سے مکت ہو گی

جو پُوچھا۔ میں کیا ہم بھی پڑھ سکتی منتر؟

کہا کہتے جاہل ہیں ماتا کو شودر!

۱- سُسر ملا کر۔ ۲- اس قوم کا اصلی نام آریہ ہے۔ تنزّل کے وقت سے بدخواہوں نے ہندو نام دیا ہے۔ ۳- وید کا وہ منتر جو آریوں کا کلمہ ہے۔ جسے یہ منتر نہ آئے وہ آریہ نہیں۔ ۴- خدمت۔ ۵- بڑھیا۔ ۶- گایتری کا پاٹھ۔ ۷- اہل پُران کا عقیدہ ہے۔ کہ عورتوں کو وید پڑھنے کا حق نہیں۔ حالانکہ کئی عورتیں بمثل واک وید منتروں کی رشی کائیں ہوئی ہیں یعنی وید کے منتروں کی اشاعت اُنہوں نے اُسی طرح کی ہے۔ جس طرح مرد رشیوں نے ۔
۸- کوئی اہل پران سے پُوچھے مائیں شودر ہیں۔ تو بیٹے کیا ٹھیرے؟

تمہیں سبھی دیوی ہیں گنوان کہتے — ہیں خود شرتی وید بھگوان کہتے
کہا ہم کو شودر ہیں شیطان کہتے — ہیں پاپوش ماتا کو نادان کہتے۔

دیا وید کا شرستی کو نوالا

دیانند سوامی! ترا بول بالا

سکان بیچ ۱۸۶۱ - **بالکتوں کی چیخیں** — سنہ ۱۸۶۹ عیسوی

مگر مچھ کہیں بیچ پانی کے نکلا۔ — رہے سوامی لیٹے وہیں بے تحاشا
پکارا کوئی وہ مگرمچھ ہے آتا۔ — یہ کہکر مہرشی نے پاسنہ نہ پلٹا

جو ہم نے سمجھا اس کا بگاڑا نہیں ہے
سنہ ۱۸۶۷ پریاگ
تو بدخواہ وہ بھی ہمارا نہیں ہے

لب گنگ اکدن تھا آسن رشی کا — اس اثنا میں آنکلی واں ایک بڑھیا
تھا ہاتھوں پہ اُسکے کوئی مردہ بچہ — کیا چاہتی تھی اُسے نذر گنگا

بہانے کو جب اُسکے پانی میں اُتری
لب لال سے اُس کے اک چیخ نکلی

لپیٹا تھا جو کپڑا اُس پر اُتارا — کہ جا بیچے اُٹھو یاں برہنہ تھا آیا
بہا دیکھکر اپنے لمنگے کا ٹانکا — کلیجے کے ٹکڑے کو ننگا بہایا

۱ - مہیدہ صفات - ۲ - علم کی دیوی - ۳ - گونگے سونٹ -

یہ حالت رشی کی جب آنکھوں سے گزری
کہا ہند ہے کس فلاکت[1] کی بستی

نہیں یاں پر اپنے کو کپڑا میسر نہیں بھوکوں مرتے کو ٹکڑا میسر
ہو سامان کیا زندگی کا میسر نہیں زہر کھانے کو پیسہ میسر

یہ جینا ہے کیا بے حیائی کا جینا
کفن لے کے بچے کا لہنگا ہے سینا

ہوا پار گنگا کے اک روز میلا پھر رشی گئے دیکھنے رنگ اس کا
تھے پوجا کی کرتے جہاں بھینٹ پنڈے وہیں لڑکیوں کا چڑھاوا تھا چڑھتا

حیا دھرم کے نام پر واں تھی بکتی
گھروں کی جو تھی عزت ارزاں تھی بکتی

رشی نے یہ دیکھے حیا سوز[2] منظر پڑی کل نظر ان کو تھے سخت مضطر
رہے لوٹتے گرم ریتوں پہ دن بھر پڑے کھولے راتوں رہے دیدۂ تر[3]

کہا ہے! ابھی ہند میں ہے حیا باقی
نہیں آہ! اس ڈھیٹھ کو موت آتی

رشی کی سُنی آسماں نے بیزاری زمیں کانپ اٹھی دیکھ کر بیقراری

۱- مفلسی ۲- حیا کو جلانے والے بے حیائی کے نظارے ۳- آنسو بہاتی آنکھیں۔

پپیہا سماں دیکھ کر فضلِ باری — ہوئی گنگ بیں راگ کی رود جاری

پپیہے پہ بھارت کے خوں رونیوالا

دیانند سوامی ! رتتا بول بالا

۱۵- کاشی کی فتح

پپیہا — اکتوبر ۱۸۶۹ء

چلا جب نہ سوامی پہ جادو زباں کا — نہ تقریر کا تیغ سے توڑا ٹانکا

کیا زہر نے کام جب شیر و نان[1] کا — گیا سکہ جم جو گئے ہم نکتہ دان کا

یہ سکہ تھا چھایا ہوا پنڈتوں میں

نہ تھا فرق کچھ پنڈتوں اور بتوں میں

کوئی جا کے کاشی لکھا لایا پتری[2] — کہ جائز ہے ویدوں میں پوجا بتوں کی

وہ پتری رشی کی جب آنکھوں سے گزری — کہا ہم نے کاشی کی لی دیکھ شیخی

گئے شیر کی طرح فوراً گرج کر

کہ لو ایک دھاوے میں یہ گڑھ[3] ہوا سر

ملے بے خطر وعظ سے کاشی والے — یکایک اٹھے کانپ سب بوڑھے بالے

گئے پنڈتوں سے نہ اوساں[4] سنبھالے — جہالت نے تھے عقل پر پردے ڈالے

۱- دودھ اور روٹی - یعنی زہر کارگر نہ ہوئی - ۲- یوستھا کا کاغذ - فتوے - ۳- قلعہ فتح ہوا
۴- ہوش ۞

جنہیں پوجتے تھے سبھی کہکے شنکر[1]
کیا اُن کو ثابت مہرشی نے کنکر

یہ روداد راجا[2] کے کانوں تک پہنچی | کہا آج ہے ناک کاشی کی کٹتی۔
جو ترشول[3] پر شو کے کاشی کھڑی تھی | وہ دھکے سے ہے ایک سادھو[3] کے ہلتی

بُلا بھیجا نگری کے سب پنڈتوں کو
کہ بھو دیو[4]! اب تم بچاؤ بُتوں کو

کہا پنڈتوں نے ہے منظور راجن! | کرو جس طرح ہم کو مامور راجن!
ہمیں دان دے دینا بھرپور راجن | کریں مشٹہ کفر ہم چور راجن!

مگر ہم تو ہیں اور کچھ پڑھنے والے
دیانند ویدوں کے لیگا حوالے

ہمیں کر عطا پندرہ دن کی مہلت | کریں وید کی مل کے تا خوب قرأت[5]
وہ ثابت کریں پھر بتوں کی کرامت | دیانند کی توڑ دیں صاف حجت

رہا پندرہ دن یہ کاشی کا نقشہ
کوئی بات گھڑتا کوئی وید پڑھتا

۱۔ شو کا نام ہے بت پرست کنکر کو شنکر کہتے ہیں ۲۔ مہاراجہ مادھو سنگھ یہ کاشی کے راجہ تھے ۳۔ کاشی کے متعلق روائت ہے کہ یہ شو جی کے ترشول کے سہارے قائم ہے ۔ اس لئے اسے کوئی طاقت ہلا سکتی۔ ۴۔ زمین کے مالک یعنی برہمن ۔ ۵۔ پاٹھ

ہُوا بحث کا وقت جب پنڈت¹ آئے ۔ بڑا جمگھٹا ساتھ چیلوں کا لائے
گورو پانکی ہیں مٹے آسن لگائے ۔ تھے نعروں سے شش آسماں کو اُٹھائے

اِدھر بیٹھی کاشی کی سبھ جمع تھی ساری
اُدھر ایک سادھو تھا کوپین² دھاری

ہے سادھو کھڑا پوچھتا دھرم کیا ہے؟ ۔ نشاں اُس کا کیا کیا منو نے کہا ہے
زباں پر وہاں سب کی تالا لگا ہے ۔ ہے جھک جھک ہی کرتا جو لب کھولتا ہے

جو پوچھا۔ ادھرم آپ کس کو کہینگے
تو نکلا نہ لفظ ایک پنڈت³ کے منہ سے

چلی بت پرستی پہ تقریر جب واں ۔ تو لایا نہ اُس پر کوئی صاف برہاں
لگے جھانکنے آسنیں قصہ⁴ داں ۔ دلائل پہ سوامی کی تھی بزم حیراں

ورق ایک لوٹا کسی نے دکھا کر
کہا وید کا دیکھنا سوامی! منتر

رشی نے نظر تھی ابھی اس پہ ڈالی ۔ وہیں پیٹ دی اُٹھ کے راجہ⁵ نے تالی

۱۔ بڑے بڑے پنڈت یہ تھے ۔ وشدھانند ۔ بال شاستری ۔ شوسہائے ۔ مادھوآچاریہ ۔ وامن آچاریہ ۔ تارا چرن ۔ جے نارائن ترک واچسپتی ۔ رادھا موہن ترک واگیش ۔ امبکا دت وغیرہ ۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے تھے ۔ ۲ ۔ لنگوٹا پہنے ۔ ۳ ۔ دھرم شاستر جاننے والے ۴ ۔ شاستر ارتھ میں پردھان وہی تھے ۔ اِس دفعہ جو بیتی سو بیتی ۔ اُس کے بعد راجہ کو سخت پشیمانی ہوئی ۔ دوسری بار جب سوامی جی کاشی تشریف لائے ۔ تو اپنے مکان پر آنے کی پرارتھنا کی ۔ سوامی پہلی دفعہ راجا کے کہنے پر بھی اُن کے مکان پر تشریف نہ لے گئے تھے ۔ اب اس خیال

یہ ترکیب دھوکے کی اچھی نکالی۔ رہی بات کاشی کی سب سے نرالی

وہ غُنڈے کہ آئے تھے رشوت اُڑا کر

لگے پھینکنے ہر طرف اینٹ پتّھر

کِسی نے شرارت سے جُوتا اُچھالا کسی کے کٹا کان سے صاف بالا

کِسی نے کیا مُنہ شرافت کا کالا لیا گوبر اور سر پہ جانوں کے ڈالا

غرض ایک اندھیر برپا تھا ہر سُو

کھڑا مست کونے میں تھا موجی سادھو

تھے کچھ بحث میں اہلِ اخبار آئے وہ سچّی خبر بحث کی واں سے لائے

ہوا نے بہت برقی گھوڑے اُڑائے حقیقت کے پیغام عالم نے پائے

دلیلوں پہ کاشی کو جس نے اُچھالا

دیانند سوامی! ترا بول بالا

۶۵ گذشتہ سے کو شاید وہ سوامی کو خفا خیال کرے گا۔ آپ تشریف لے گئے۔ راجہ آپ چاندی کی کُرسی پر بیٹھے۔ اور مہاراج کو سونے کی کرسی پر بٹھایا۔ اور بڑی عاجزی سے آدھ ہزار کی بھینٹ

وہ آنند کسٹیڑ ماہ دسمبر ۱۸۶۹ء اور روہیلکھنڈ اخبار ماہ نومبر ۱۸۶۹ء۔ گیان پردائنی پتر کا لاہور۔ اپریل ۱۸۷۰ء ہندو پیٹریٹ ۱۷ جنوری ۱۸۷۰ء۔ کرسچن انٹیلیجنسر بلدس ناگو یودھی وغیرہ اخبارات میں اِس شاستر ارتھ کے حالات شائع ہوئے۔ ان میں سے اکثر نامہ نگار جلسے میں خود موجود تھے۔ آریہ سماج نے اِس بحث کی مکمل کیفیت کتاب کی صورت میں شائع کرا دی ہے ۔

کلاشتی ١٦- کیچڑ میں کنول سمت ١٩٣٧

تھے اک دن رشی سیر سے لوٹے آتے جہاں کو جتاں خاکِ پا سے بناتے
کسی گہری دھن میں قدم سُست اُٹھاتے نہ جانیں تھے کس فکر میں ڈوبے جاتے

جو دیکھیں تو کیچڑ میں گاڑی اٹی ہے
یہاں سر پہ سانڈوں کے شامت بڑی ہے

کھڑا اُن پہ برساتا سوٹے پہ سوٹا تھا غصّے سے بے بس ہوا گاڑی والا
جو دیکھا نہیں کام سوٹے سے چلتا گیا ہانپ آخر کو دم ہار بیٹھا۔

اُدھر جو ر بیل اپنی طاقت لگا کر
اِدھر گاڑی والا تھا بے تاب و مضطر

دیانند کے دل میں طغیاں دیا کا مصیبت سے سانڈوں کی یکلخت اُمڈا
نم آنکھیں ہوئیں بہ گیا غم کا دریا گیا درد بیلوں کا اُن سے نہ دیکھا

پھڑک بیں نہ کندن تھا جن کے برابر
وہ کیچڑ میں اُترے دیا سے پگھل کر

وہ پاکیزہ مورت سراپا کی صفا کی نہ چھوئے جسے خاک بھر گزر پاکی
پھڑک دیدے نے جس کو اپنی عطا کی تھا دل نور کا گرچہ قالب تھا خاکی

پرم ہنس داغ گُنہ دھونے والا
کنول بن کے کیچڑ میں آج آپ اُترا

دیئے بیل کھول تم انکو دلدل سے ہانکا ۔ رکھا اپنی گردن پہ گاڑی کا جوا
نہ چھوڑا کسی نے بھی اپنی شرافت سے ہٹا ۔ رشی نے وہ بوجھ آپ تنہا سنبھالا

بڑا کون ہے؟ جس نے چھوڑی بڑائی
دیا کیا نہ جو بے زبانوں پہ آمڈی۔

اِدھر گاڑی جوہڑ سے آتی تھی باہر ۔ اُدھر گاڑی والا جھکتا تھا پیروں پر
فرشتوں میں ہوتی تھی عرش پر ۔ کہا دیوتاؤں نے پھولوں سے سر ملا کر
سنکٹوں کو دلدل سے جس نے نکالا
دیانند سوامی! ترا بول بالا

مسدس ۱۷ - جوگی کا جلال ۱۸۷۴ء

تھے متھرا میں اک رنگا چاریہ[1] برہمن ۔ رِشی کے گورو سے تھی اُنکی اَن بَن
بڑھا دیکھکر اُن کے چیلے کا جوبن ۔ دیانند کے ہو گئے جانی دشمن

۱۔ برہما سنیاسی۔ ہنس ایک پرندہ ہے۔ جو تالابوں کے کنارے رہتا ہے۔ اسے کیچڑ نہیں چمٹتا
۲۔ کنول پھول۔ پانی میں رہکر بھی تر نہیں ہوتا۔ ۳۔ دیاکرن کے بڑے پنڈت تھے۔ اسی دیاکرن یعنی صرف و نحو کے کسی اصول پر اُنکی اور سوامی ورجانند کی بحث ہوئی تھی۔ اسکے بعد سے یہ اُن سے بگڑے ہوئے تھے سوامی دیانند تھا اِس بحث میں اُن کے چیلے کو ٹوکا تھا۔ مگر ڈنڈی ورجانند کے شِشیہ

جو دیکھا نہیں تیغ جوگی پہ چلتی
نہیں زہر دینے سے یاں دال گلتی

کہا دِل میں تھے یہ قوی برہمچاری ۔ کہیں جیت ہوتی ہے اس پر ہماری؟
گئی پوجتی گر اسے خلق ساری ۔ نہیں بُت کو ڈھونڈھے سے ملنا پجاری

لگے کہنے چیلوں کو سچے سپوتو
تمہیں اس کے لنگوٹ پر داغ دھرنو

وہیں پاس ڈیرہ تھا اِک فاحشہ کا ۔ نپٹ بیچباؤں نے جا اُس کو گھیرا
کہا پانچ سو کا یہ حاضر ہے گہنا ۔ رہا پانچ سو اور کا تجھ سے وعدہ

دیانند جوگی کو گر پھانس لائے
تو منہ مانگا انعام پھر اور پائے

طوائف گئی پاس جوگی کے دوڑی ۔ جو دیکھے ہے جوگی لگائے سمادھی[1]
برستا ہے اِک نور صورت سے اُس کی ۔ کہا ہم سے یاں شرارت نہ ہوگی

گئی واپس اور پنڈتوں کو بتایا
کہ جوگی ہے عصمت کی دیوی کا جایا

کچھ انعام کو پنڈتوں نے بڑھایا ۔ طوائف کو سونے کا چمکہ چڑھایا

۱- مراقبہ - جوگ کی آخری حالت - جب مرتاض کی آتما پرماتما میں محو ہو جاتی ہے۔

کچھ اُس کو لبھایا۔ کچھ اُس کو ڈرایا   کہا تجھ کو واپس ہے جم[1] دُوت لایا

نہیں تجھ سے ہوتی اگر اور ہمت
تو کہہ دیجو "مت کر دیانند احرکت"

طوائف گئی پاس ڈر کر کُٹی کے   کہ اک بار چھُو دیکھو پاؤں رشی کے
گئی سامنے جب تپسوی جتی[2] کے   ہلوڑے لگی لینے پاکیزگی کے
گنہ نے کہا دل سے گھبرا کے رُخصت"
یکایک طبیعت سے بھاگی شرارت

ہما لیا بھولی طوائف نے دیکھا   نہ بیکنٹھ[4] میں جو گرڑ کو ملے گا۔
تھا عصمت کا واں جھولتا ہنگورا   کہ دل بیخودی کے جھکورے تھا لیتا
دیئے ڈال بے خود طوائف نے زیور
کیا سر چرن پر رشی کے نچھاور
رشی نے سمادھی سے جب آنکھ کھولی   تو دیکھا ہے موجود اک لڑکی بھولی

۱۔ جم موت کا دیوتا ہے۔ جم دُوت اُس کے قاصد ہیں۔ جو موت کے وقت روحوں کو اجسام سے نکالتے ہیں۔ مراد یہ ہے۔ کہ تیری موت قریب ہے۔ جبھی تو واپس آئی۔ تیری واپسی تیری موت کا بہانا ہے۔ ۲ مرتاض۔
۳۔ ذاتِ پر قابو رکھنے والا۔
۴۔ پرانوں کے بیانات کے مُطابق وشنو جی مہاراج بیکنٹھ میں رہتے ہیں۔ گرڑ اُن کی سواری ہے۔ یہ آدھا پرندہ اور آدھا انسان ہے۔ بیکنٹھ راحت اور پاکیزگی کا مقام ہے۔ وہاں تکلیف کا نام نہیں۔ برائی کا نشان نہیں۔

نہ ہو مکتفی جیسے گہنوں کی جھولی | لڑی آنسوؤں کی تھی اُس نے پرولی
کہا- ہائے! کیا لائی جوگی کے ڈیرے
وہ بولی کہ بابا! یہ ہیں پاپ میرے
کئے سخت اصرار سے پیش زیور | پھر رشی نے لوٹا کے بخشا اُسے بر
رہے تیرا بے داغ عصمت کا جوہر | کُٹی کے یہی گونج تھی باہر اندر
ہے منہ جس کی عصمت سے عصیاں کا کالا
دیانند سوامی اترا بدل بالا

۱۸- پالا اُلٹا

کاپنچھیٹ — سنہ ۱۸۷۴ء

تھے رہتے کبھی چاند اپور[۱] میں کبیری[۲] | گھرا کا تھی اُن کے وِرثہ امیری-
بہت اپنے مذہب کی دیکھی حقیری | کبیری دھرم نے نہ کی دستگیری
ہوئی مسلمانوں سے تکرار اُن کی
ہمیشہ زباں زد رہی ہار اُن کی
بہت شرع والوں نے اُن کو چڑایا | پسند آیا اُن کو نہ مذہب پرایا
رشی کا پتہ اُڑتی خبروں میں پایا | بچن[۳] لیکر آنے کا میلا لگایا

۱- شاہجہان پور سے پانچ کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے- ۲- کبیر صاحب کے پیرو- ۳- وعدہ

بہت پادری مولوی کر کے مدعو^۱

کہا بحث کر لو یہ آئے ہیں سادھو

رشی نے جو کھولا دلائل کا دفتر — موالف^۲ تھے حیراں مخالف تھے ششدر

کسی نے کہا۔ کفر ہے بحث دیں پر — کوئی بولا۔ ہے عقل ایماں پہ خنجر

رشی کی جو باتیں سنیں پیاری پیاری

ہزار آفریں! کہہ اٹھی بزم ساری

یہ پہلی ہی نوبت تھی صدیوں کے پیچھے — کہ غیروں کے سر خم تھے اپنوں کے آگے

جو نت بھاگنوں کا تعاقب تھے کرتے — بچاؤ کی آج اپنے رہ ڈھونڈھتے تھے

دہلی ۱۸۷۷ء

رِ دربار^۳ کچھ آئے کا مشہور تھے ہم

کسی کو خبر کیا کہ خود لُٹ رہے تھے ہم

اس اثناء میں دربار^۴ دہلی کا آیا — مہرشی نے جمنا پہ ڈیرا لگایا۔

۱۔ دوست۔ طرفدار۔ ۲۔ اہل اسلام کی طرف سے مولوی محمد قاسم صاحب اور عیسائیوں کی طرف سے پادری سکاٹ صاحب بحث میں حصہ لیتے رہے۔ دیگر علماء بھی شامل جلسہ ہوئے۔ بحث لفظاً بلفظ تینوں کا تبوں نے لکھی۔ اور ایک نقل ہر ایک فریق کے پاس رہی۔ آریہ سماج نے اسے طبع کرا دیا ہے اور وہ میلہ چاند اپور کے نام سے بکتی ہے۔

ابتدا میں پانچ مضمونوں پر لگاتار بحث کرنے کا ارادہ تھا۔ مگر ابھی دو ہی سوالوں یعنی (۱) خلقت کس چیز سے۔ کیوں اور کب ہوئی؟ اور (۲) نجات اور اس کے حصول کے ذرائع کیا ہیں؟ پر تقریریں ہوئی تھیں۔ کہ مولوی صاحبان اور پادری صاحبان یہ مشہور کر کے کہ میلا ختم ہو چکا ہے روانہ ہو پڑے۔ ۳۔ ہندوؤں کو آنے کا ربا کہتے تھے۔ جسے باہر رکھو تو کوے کھا جائیں۔ اور اندر رکھو تو چوہے چٹ کریں۔ ۴۔ ۱۸۷۷ء میں یہ دربار دہلی میں منعقد ہوا۔

تھا درشن سے محظوظ اپنا پرایا بہت اہلِ دربار نے لطف اُٹھایا

جو تھے اُن دِنوں پیشوایانِ ملّت

مہرشی نے دی اُن کو اِک روز دعوت

مُسلمان۔ عیسائی برہمو سماجی مہرشی نے سب کو دھرم کی صلاد ی

کہا کیوں الگ پھرتے ہو بھائی بھائی ہے تلقین ویدوں کی ہم سب کی ساجھی

ہے ازلی خدا کی یہ تعلیم ازلی۔

نہ بدلی گئی ہے نہ جائے گی بدلی۔

نہ گو وید پر لائے اعتبار ایماں۔ رِشی کی صداقت کے تھے سب ثنا خواں

کہا ہند کا ہے یہ رُوحانی سُلطاں زباں پہ تھا کہسار و دریا کی ہاں! ہاں!

وہ ٹوٹا جو تھا وید ودّیا پہ تالا

دیانند سوامی! ترا بول بالا

۳۔ سر سید احمد خان ہمیشہ سوامی جی کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔ دیگر اصحاب بھی جو سوامی کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہوئے بغیر اس لحاظ کے کہ اُن کا کیا مذہب تھا سوامی کی روحانی بزرگی کے قائل تھے۔

۱۔ سر سید احمد خان۔ بابو کیشب چندر سین۔ بابو نوین چندر رائے۔ شری ہریشچندر چنتامنی ۔ منشی کنہیا لعل الکھ دھاری۔ منشی اندر من وغیرہ وغیرہ اصحاب سوامی کے ڈیرے پر تشریف لائے۔ ۲۔ وید کا الہام شروع آفرینش میں چار رشیوں پر ہوتا ہے۔ اور اُس کے بعد اُس میں کوئی تحریف و تصریف نہیں ہوتی۔ کیونکہ پرماتما علیم کل ہے۔ اور اُس کے احکام تمام زمانوں پر یکساں حاوی ہیں ۔ ۳۔ دعوت ۔

۴۔ سوامی کے وقت سے پہلے غیر مذاہب والوں کا تو کیا ذکر۔ اپنی ہی قوم کے کئی حصّوں کو وید پڑھانا ممنوع تھا۔ عورتیں شودر سمجھی جاتی تھیں۔ اور انہیں وید تک پہنچنے نہ دیا جاتا تھا۔

بمبئی ۱۹- پُونے کا سوانگ سنہ ۱۸۷۵ء

بِتائے دِن رات اب رہتے سوامی سفر میں گُذر جاتے ہفتوں اُنہیں رہگذر میں

کبھی اِس نگر میں کبھی اُس نگر میں گئے پہنچ پھرتے مہاراشٹر میں

کیا بمبئی میں جو اکبار ڈیرا

تو پہلا سماج اپنے ہاتھوں سے کھولا

کسی کو خبر کیا یہ ہے رُوح اُنکی۔ رکھی ہے صداقت کی بنیاد پکّی۔

یہی عقل کو نقل سے ہے ملاتی۔ یہیں سے جہاں کو ہدایت ملیگی

یہیں بے نوا اپنا رو دیں گے رونا

اِسی کو ہے بھارت کا ہر داغ دھونا

یہی ہونگے اسلاف کے نام لیوا یہی وید و وِدّیاؤں کے پانی دیوا

بقیہ صفحہ گذشتہ۔ وید کی اندرونی شہادت سے ثابت ہے۔ کہ شروع میں یہ بندش نہ تھی۔ بعد میں اہلِ بدعت نے اس کا اختراع کیا۔ سوامی نے پرماتما کی دین سب کے لئے عام کردی۔ جیسے پرماتما بلا تخصیص شخصی سب کے ساجھے رہتا ہیں۔ اُن کی برکتیں بھی بلا تخصیص فرقہ و فرد سب کے لئے عام ہیں۔

۱- ہندوستان کا مغربی ساحل اور اُس سے آس پاس کا میدان۔ احاطہ بمبئی بھی شامل ہے۔ مرہٹوں کا دیش یہی ہے۔ ۲- سنہ ۱۸۷۵ء کا واقعہ ہے۔ سوامی نے اپنی انجمن کا یہ نام سمادھی میں محو ہو کر تجویز کیا تھا۔

۳- آریہ سماج کی بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ یہاں پُرانے رواج اور روایات عقل کی کسوٹی پر پرکھے جا کر قابل پذیرائی ہوتے ہیں۔

انا تھوں کے وِدھواؤں کے ناؤ کھیوا [1] کرینگے یہی روتے دُکھیوں کی سیوا
غذا بھوکے مرتوں کو پہنچائینگے یہ
پُکار اُنکی سُنکر تڑپ جائینگے یہ
دِکھائینگے یہ بھولے بھٹکوں کو رستہ نکالینگے رہرو کے پاؤں سے کانٹا
یہی ڈوبتوں کی اُبھاریں گے نیّا [3] یہی دل شکستوں کا ہونگے سہارا
رشی نے بظاہر سماج اپنا کھولا
جو سچ پوچھو اک کھیت رحمت کا بویا
پدھارے وہاں سے مہاراج پُونا [4] جو عظمت کا ہے مرہٹوں کی نمونہ
شواجی نے بخشا جسے فخر دُونا نہیں اب بھی یہ شہر بیروں سے سُونا
شواجی کی ہے دھاک دیتی سنائی
ہے سرکار نے چھاؤنی واں بنائی
رشی نے ویدوں کا ڈنکا بجا کر کیا زیر باطل کو سچ کو مُظفّر [5]
تھے اُپدیش [6] مصری کی ڈلیاں سراسر دلوں میں گیا بیٹھ شکشاؤں [7] نے گھر

۱- کشتی کے کھینے والے - ۲- قحط انا جیوتا نہر زلزلہ کانگڑہ اور قحط گڑھوال کے موقعوں پر جو کام آریہ سماج نے کیا تھا اسکا اعتراف سب تحقیقات کرنیوالوں نے کیا ہے ✢
۳- ناؤ کشتی - اسم تصغیر ہے - ۴- گورنمنٹ بمبئی کا موسم گرما کا دار الخلافہ ہے- اور چھاونی ہے - مہاراجہ شواجی کا جنم اسی جگہ ہوا تھا ✢
۵- ظفر یاب - فتح مند ✢
۶- نصیحت - ۷- تعلیم - تلقین ✢

تھے جج اُن دنوں اِس نگر کے رناڈے[1]
ہوئے معتقد سچّے دِل سے رِشی کے

جلوس ایک دن اپنے گھر سے نکالا سجا کر رکھا فیل پر آسن اُن کا
چلے ہمرکاب آپ اور شہر سارا بجا دھرم کا سب مُحلّوں میں ڈنکا

صداقت نے پائی جو ہر سُو اشاعت
شرارت سے آئے[2] باز نہ اہلِ بدعت

کِسی نے کہا دُوسرے دن رشی سے جلُوس آج ایک اور نکلا گلی سے
گدھے پر چڑھا تھا کوئی دِل لگی سے "دیانند" لا کہتے تھے اُسکو ہنسی سے

کہا اس میں عزّت ہے دُونی ہماری
ہے نقلی دیانند کی خر سواری

کہا اُس کو دیتے ہیں بدذات گالی کہا پیٹ ہونے دو گالی سے خالی
ہوا فحش رخصت کا ہے اب سوالی ابھی گفتگو لینا سُن و بدوالی

کہا جنم[3] کا تُم کو کہتے ہیں شُودر
کہا جنم سے سب ہیں شُودر سے کہتر

۱- مہادیو گوبند راناڈے گوکھلے مرحوم کے پولیٹیکل گورو تھے۔ ہندوستان کے اُن روشنخیال بزرگوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے ہندوستان کی موجودہ بیداری کو جنم دیا۔ ۲- کہیں کہیں یہ روایت ہے۔ کہ اسی جلوس کے دن اہل بدعت نے کیچڑ پھینکا تھا جج صاحب کے کپڑے بھی بھیگے تھے۔ ۳- اہل پُران کا عقیدہ ہے۔ کہ چار ورن یعنی چار ذاتیں برہمن۔ کشتری۔

Champat Rai Pl. A

گُرو سے جو وِدّیا پڑھے اور پڑھائے[1] وہ شودر بھی رُتبہ برہمن کا پائے

ہے کھتری جو میداں میں ہمّت دکھائے وہ ہے ویش جو دھن ہُنر سے کمائے

بڑائی نہیں ذات کی کام آتی۔

یہاں پُوچھتے ہیں ہُنر اپنا ذاتی

کہا پھینکتے نام لے کر ہیں کنکر کہا وہ ہیں[2] جسے مانتے کل تھے شنکر

بنا کر عداوت پہ آتے ہیں تن کر ہوئے میرے پیرو یہ بدخواہ بن کر

بھگت نے سُنی جب رشی کی یہ باتیں

گئیں ڈال ہیں کر اُسکے گھر جھٹ یہ گھاتیں

کہا تم شرافت کی مُورت ہو سوامی نری مہر بے لاگ رحمت سوامی

دِل افروز رکھتے طبیعت ہو سوامی حقیقت میں اہلِ کرامت ہو سوامی

عوض گالیوں کے دُعا دینے والا

دیانند سوامی! ترا بول بالا

بقیہ گذشتہ- ویش اور شودر پیدائشی ہیں۔ برہمن کا لڑکا برہمن ہوتا ہے۔ کشتری کا کشتری وغیرہ۔ ذاتوں کی تقسیم پر ہی ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک ایک ذات کی سینکڑوں ذیلی ذاتیں بنا دی گئی ہیں۔ جگہ کی کمی کے سبب ہم اس جگہ اس بکھیڑے کی تفصیل نہیں کرتے ٭

۱- سوامی کا عقیدہ تھا۔ کہ ورنوں کی تقسیم قدرتی ہے۔ یہ ہر قوم میں پائی جاتی ہے۔ مگر اس کی بُنیاد پیدائش نہیں۔ بلکہ ذاتی قابلیت ہے۔ قوم کا جو فرد جس کام کے قابل ہے۔ اُسی پر اُس کو لگانا چاہیے ٭

۲- کل پتھر کو شنکر یعنی شو مانتے تھے۔ اور اُس کی پُوجا کرتے تھے۔ آج مجھ پر پھینکتے ہیں۔ اچھا ہوا بُت پرستی سے ہٹے ٭

رنگ ۳ — ۲۰۔ پرائے اور اپنے — سمبت ۱۹۲۴ بکرمی

کنارے پہ گنگا کے تھے جب بچرتے　　مصیبت پہ بھارت کی سرد آہیں بھرتے
مہینوں تھے جب فاقہ کرتے گذرتے　　کسی شام تھے بیٹھے اُپدیش کرتے

گیا لے کے نانِ جویں[1] ایک نائی
رشی نے وہ لی چاؤ سے اور کھائی

کسی نے کہا۔ دیکھ تو لیتے ڈنڈی　　یہ ہے ایک ناپاک نائی کی روٹی
ہے چھونے سے اس کے ہمیں چھوت لگتی　　کہا چھوت ہے پاک لوگوں سے ڈرتی

"یہ روٹی نہیں نائی کی گیہوں کی ہے
عقیدت[2] کی اس میں بھری چاشنی ہے"

سبھا میں کہیں مذہبی[3] ایک آیا۔　　وہ پہلے ہی ڈر کر بہت دور بیٹھا
کسی نے مگر بیچ بیٹھے کو ڈانٹا　　کہ اس سادھ سنگت میں کیا کام تیرا

رشی طیش میں آ لئے ڈانٹ اُسکی سنکر
کہا مذہبی کو ہی ہم دینگے لیکچر

۱۔ جَو کی روٹی۔
۲۔ مقابلہ کرو رام چندر کا بھیلنی کے بیر کھانا وغیرہ واقعات سے۔
۳۔ مذہبی سکھ۔ ہندو انہیں ناپاک مان کر ان سے پرہیز کرتے ہیں۔

اُسی خاک سے ہے بنا جسم اس کا — ہمارا ہُوا جس سے سنسار ہوتا۔
جنم مجھ کو اور تم کو ہے جس نے بخشا — اُسی مادرِ ہند کا ہے یہ بیٹا
سمجھتا ہوں میں اسکو ماں جایا بھائی۔
تمہیں میرے بھائی سے ہے چھوت لگنی

بمبئی — سمبت ۱۹۳۸ بکرمی

کہیں بمبئی میں تھا آسن[1] رشی کا — وہاں ایک بنگالی درشن کو آیا۔
وہ پیاسا تھا پانی کا گھونٹ اُس نے مانگا — دیا بھر کے بھگتوں نے پتّوں[2] کا دونا
تھا بنگالی رکھتا بڑی لمبی ڈاڑھی
سو بھگتوں نے سمجھا مسلماں ہے کوئی
رشی نے جو دیکھا یہ دلسوز[3] منظر۔ — کہا ہندوؤں کی سمجھ پر ہوں ششدر[4]
معزز کوئی آئے مہمان بنکر۔ — یہ ہیں جانتے اسکو حیواں سے کمتر۔
نہیں اُس سے عزت کا برتاؤ کرتے
ہیں چھونے سے انساں کے انساں ڈرتے
یہ ہندو کچھ انسانیت نہیں دکھاتے؟ — کہ انساں کو ہیں دیکھکر دم دباتے
پرایا نہیں کوئی اپنا بناتے — ہیں لختِ جگر[5] روز لاکھوں گنواتے

۱۔ قیام۔ ۲۔ گلاس دیتے تو اُن کے خیال میں وہ ناپاک ہو جاتا۔ ۳۔ دِل جلانے والا نظارہ۔ ۴۔ حیران۔ ۵۔ اچھوت قوموں سے ہندو نفرت کا سلوک کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں اپنے کنوئیں پر پانی نہیں بھرنے دیتے۔ انہیں سڑکوں پر
دیکھو صفحہ

ہوئے جس پہ بیگانے شیدا دو والہ
دیانند سوامی! ترا بول بالا۔

۲۱۔ لنگوٹ والا

دیانند تھے بے بدل برہمچاری ۔ نہ بھٹکی کبھی پاس سپنے میں ناری
ریاضت میں اُٹھتی جوانی گذاری ۔ کٹی پاک اشغال میں عمر ساری۔
مشقت نے تھا جسم کو وہ کمایا ۔ سمت ۱۹۲۷ بکرمی
کاسگنج ۔ کہ بھٹی میں ہو شرم سے لال لوہا
کھڑا سانڈ تھا ایک دن رہگذر میں ۔ بڑے طیش سے اُسکی تھیں لال آنکھیں
جو ساتھی تھے۔ بھاگے سبھی دائیں بائیں ۔ رشی کی رہیں گرم رفتار ٹانگیں۔
کسی نے کہا۔ گر وہ شوخی دکھاتا؟
جالندھر ۔ کہا میں پکڑ کر اُسے چت گراتا۔ سمت ۱۹۳۴ بکرمی
رشی تھے جالندھر اکبار اُترے ۔ مکان میں سردار بکرماں سنگھ آتے

بقدر گزشتہ چلنے سے منع کرتے ہیں۔ مندر کے نزدیک آجانے پر مقدمہ کرتے ہیں۔ اِس تنگ دلی سے تنگ آکر وہ قومیں دوسرے مذاہب کو اختیار کر رہی ہیں۔ ہندو دل کی بیوقوفی دیکھنا۔ جب تک کوئی اچھوت ہندو ہے۔ تب تک اُس سے چھونا پاپ ہے جب وہی عیسائی ہوا تو اس قدر نفرت نہ رہی۔ کھانے پینے کی بات چھوڑ کر باقی ہر طرح عزت سے پیش آتے ہیں۔ ۱۔ مجرد ۔ ۲۔ عورت ۔ ۳۔ مشغل کی جمع ۔ ۴۔ خدمت

ہوئے ایکدن یوں مخاطب رشی سے — ہیں گن برہمچاری کے سب شاستر گاتے

لکھا ہے - ہے زور اس میں یا ہاتھی کا ہوتا

یہ ہے بات سچی کہ شکتی سراپا!

رہے سوامی خاموش بات اُنکی سنکر — کوئی چھیڑدی داستاں دلنشیں تر

لگے جانے سردار بگھی پہ چڑھکر — تو گاڑی بھی ہلنے نہ پائی نہ مُو بھر

جو دیکھیں ہے سوامی نے پیچھے سے روکی

کہا طاقت اب برہمچاری کی دیکھی!

بڑے پہلوان آئے اکدن سبھا میں — رشی نے کہا کلمہ ایسی ثنا میں

کہ طاقت بڑی ہوتی ہے اتقا میں — ہیں ہم ایک بازو اُٹھائے ہوا میں

گرادو اسے زور سارے لگاکر

تو ہم جانیں ہے کوئی تم میں توانا

بڑی دیر تک منتظر تھے رشی — کہ دیکھیں کوئی سامنے آتا بھی

رہی ساری مجلس پہ چھائی خموشی — یہ آواز پھر یک بیک گونج اُٹھی۔

نہیں ہم میں تجھ جیسا لنگوٹ والا

دیانند سوامی! ترا بول بالا۔

۱۔ تعریف ۔ ۲۔ پرہیزگاری ۔ ۳۔ طاقت ور۔

Champat Rai ...

ہنسی ۲۲ - سنوان چوپئی - شلوک ۱۸۶۹

کسی نے مہرشی سے مانگا کمنڈل[1] کہ مندر میں ٹھاکر ہیں۔ ڈال آؤں جل
کہا پڑے آلسی یا ہو پاگل ہو سانبھا اپنے رکھنے کمنڈل متقبل
کہا ہے کمنڈل مرا گھر یہ سوامی

کہا۔ منہ جو ہے اس میں بھر جاؤ پانی — بڑودہ، سمت ۱۸۷۵ عیسوی

مہرشی تھے اک دن کرانے حجامت کوئی آ لئے دیکھن کرامت[2] فضیلت
کہا۔ اب بھی سوامی ہو مشتاق زینت رہے دور زینت سے اہل کرامت
کہا ہاں ہیں جس کرامت کا مظہر
ہیں رکھے اس کرامت میں ہم سب سے برتر
ہے آرائش تن کی سب کو ہدایت صفائی بدن کی صحو دل کی طہارت
یہی ہے شرافت۔ یہی ہے کرامت لگا کہنے رہ رہ کے اہل فضیلت
ہنسی میں ہے رنگ ہدایت نرالا
دیانند سوامی! ترا بول بالا۔

۱۔ لکڑی کا برتن جو سنیاسی پاس رکھتے ہیں۔ پانی وغیرہ ڈالنے کے کام آتا ہے۔ ۲۔ ظاہر ہونے کا ذریعہ۔ ۳۔ پاکیزگی۔

۴۳ - امر آتما

دیانند سا بھی کوئی بے خطر تھے ۔ نہ جس کو شیر کا نہ خنجر کا ڈر ہے
نہ سلطاں کی دھمکی کا جسپر اثر ہے ۔ نہ رشوت ہی لیکر تھے درگذر ہے

کھری کھوٹی جو سب تھے الگ کہتا
کر لو اس ہے پانی کو آپ ۔ آگ کو آگ کہت سمت ۱۹۲۴ بکرمی

کلکٹر تھے رشی کے درشن کو آئے ۔ خبر بھیجی آنے کی اندر کٹی کے
جواب آیا جوگی ہیں مصروف تھے ۔ جو وقت اور فارغ ہو اُس میں ملینگے

کلکٹر نے کہہ بھیجا فارغ ہوں دن بھر
کٹی سے یکایک رشی آئے باہر

کہا بھائی! تم اک ضلع کے ہو افسر ۔ تمہیں اسقدر پھر فراغت ہے کیونکر؟
رعایا کی حالت اسی سے ہے ابتر ۔ کہ ہیں آپ سے فارغ اُن پر کلکٹر

سُنی جب یہ تنبیہہ سر دھر دہ اے
سمت ۱۹۳۰ بکرمی
سن ۱۸۷۹ عیسوی ۔ کلکٹر تھے مارے حیا کے فراسے مطابق کمشنر
اُسے سُننے آئے تھے صاحب
یہ بیلی میں ہوتا تھا سوامی کا لیکچر

ا سہ ماہی ۔۔۔ ضلع بلند شہر کے کلکٹر تھے ۳ ۔ چار بجے کے بعد فارغ
ہوں یہ لفظ ۔۔۔ میں آگئے ہیں

رشی نے کہا ہندوؤں کو یہ ہنس کر | نہیں قوم مورکھ کوئی تم سے بڑھکر

بھلا پانچ کی جس کو کہتے ہو بیوی

کنواری رہی کس طرح وہ دروپدی[1]

جو اغیار تھے وال ہنسے کھلکھلا کر | لگاہیں ٹھٹھیں سب ہنودوں کی زباں پر

رشی وہیں بولے پانسہ بدل کر | نصاریٰ[2] کی دانائی ہے اس سے بڑھکر

کوئی اس خرد کے دشمن کو کہے کیا؟

کنواری سے بھی ہوتے ہیں بیٹے پیدا[3]؟

بھڑک اُٹھے سنکر کمشنر ہٹ صاحب[4] | لگے گھورنے دیدۂ خشمگیں سے۔

ہنسی اب ٹھٹھی کافور ہو منہ سے انکے | رہے سب ڈر کر سوامی گرجتے

کمشنر نے رستوں میں پیغام بھیجا

کہ سوامی ایسے مذہب پہ سختی ہے بیجا

ہوا دوسرے دن جب اپدیش انکا | تو مضمون روح[5] کی ہستی کا چھیڑا

کہا آتما ماردو گولی سے یا | کمشنر کی دھمکی کو پھر میں سنونگا

۱- دروپدی کو مہابھارت میں پانچوں پانڈوؤں کی بیوی کہا ہے۔ مگر کہانی ایسے بیہودہ ڈھنگ طور پر بیان کی گئی ہے۔ کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات غلط ہے۔ اس پر بھی اہل ہنود اسے کنواریوں میں گنتے ہیں۔ ۲- حضرت عیسیٰ کے پیرو۔ ۳- عیسائی مہاتما عیسیٰ کا جنم کنواری لڑکی مریم سے مانتے ہیں۔ ۴- صاحب۔ جناب۔

۵- روح۔ اس کی موت نہیں ہوتی۔

حقیقت میں جب ہم کو مرنا نہیں ہے
تو پھر صاف کہنے سے ڈرنا نہیں ہے
عبث لوگ ہیں موت کو سمجھے ہوا[1] پرانا بدلتے ہیں ہم اس میں کرتا
کمشنر مہاشے اپنا پیرہن لا۔[2] کمشنر وہیں وجد میں کہتا اٹھتا
تو ہے آتما - تو نہیں مرنے والا۔
دیانند سوامی! ترا بول بالا۔

امرتسر[3] ۲۴- پھولوں کی برکھا ۱۸۷۷ء

مبارک وہ ساعت تھی اچھی گھڑی تھی پدھارے جب دیانند نگری گورو کی -
لگاتے تھے جو اسی پانی میں ڈبکی[4] رشی نے انہیں بخشا امرت حقیقی[5]۔
زباں میں تھا اعجاز[6] سوامی کی کیا کیا
مسیحائی[7] کرتا تھا اپدیش ان کا
کئی ایسے بھی تھے وہاں اہل بدعت جو رہتے تھے ہر وقت مصروف خست

۱- تناسخ کے قائل موت کو جسم کی تبدیلی سمجھتے ہیں - ایک زندگی گئی تو اپنے اعمال کے مطابق دوسرا جسم مل جائے گا - ۲- اس جسم کا خاتمہ کر - جیسے مار ڈالا ٭
۳- امرتسر کو سکھ گورو کی نگری کہتے ہیں ٭ - دربار صاحب سکھ گوردوارہ پانی کا تالاب بھرا رہتا ہے - اس میں نہانا ثواب سمجھا جاتا ہے - ۵- وید کے اپدیش کے ذریعہ - ۶- معجزہ کرامات - ۷- مردہ دلوں کو زندہ کرتا تھا ٭

جنہیں دھرم سے تھی جنم کی عداوت — طبیعت ہیں جنکی بھری تھی شرارت

لگے پھینکنے سر پہ سوامی کے پتھر

رشی بولے وہ پتھر ہیں مجھکو گل تر

رہے حسب دستور اعجاز کرتے — کہیں شیر بھی گیدڑوں سے ہیں ڈرتے

جو جاہل شرارت میں حد سے گذرتے — زباں میں یہ اپنی مٹھاس اور بھرتے

عوض دھول کے پھول برسانے والا

دیانند سوامی! ترا بول بالا۔

پارشکتی

میواڑ ۲۵ — ستمبر ۱۸۸۳ء

گئے میواڑ میں کرنے پرچار سوامی — تھے مشہور دوراں صداقت کے حامی

زباں زد تھیں ہر سو صفات گرامی — تھا گھر گھر پڑا گو شہرت نام نامی

سر شام گنگا میں دربار لگتا

سلامی کو حاضر ہوا کرتے راجا

رشی کہتے پرتاپ کا یہ نگر ہے — شجاعت کی بستی ہے جرأت کا گھر ہے

۱۔ طاقت مادری۔ ۲۔ اشاعت۔ ۳۔ زمانے میں مشہور۔ ۴۔ اعلیٰ صفتیں۔ ۵۔ جرگیا جو کے علاوہ اُدے پور کے راجہ بھی بار درشن سے فیضیاب ہوتے۔ ۶۔ ریاست اُدے پور کے حکمران خاندان کا مورث۔ اکبر کے زمانے میں جب راجپوت راجہ مغل بادشاہوں کو خراج دیتے تھے (بقیہ آئندہ)

بہادر اُودے سنگھ کا یہ مقبرہ ہے — یہیں پر سانگا کا مدفن جگہ ہے

ہے یہاں پہ چپے چپے میں خوں راجپوتی

ہوئیں یہاں شہیدوں کی مائیں سپوتی

یہیں لڑکے جاں سے ہے چیتے جیمل — یہیں سوئے آلہا یہیں سوئے اودل

گرجتے رہے سر پہ گولوں کے بادل — یہیں پہ ہیروں کی ہرگز پڑا کل

لڑائی میں پہنے بسنتی ہیں بانا

ہو خوش ساتھ دولہا کے شادی پہ جانا

کہیں پھر کو ساتھ بھگتوں کے نکلے — کھڑا رہ میں مندر تھا پاس اُسکے گذرے

مچان ایک تھا لکشا گرد اُسکے — کیا سر کو خم جب قریب اسکے پہنچے

کوئی بولا سوامی! نہ تم لاکھم بانو

کرالیتے خود وہ تو تا خم یہیں سر کو

پھر بستی کو گئے راستہ میں جاتے جاتے — وہیں چند لڑکے کھڑے کھیلتے تھے

بڑے سادہ طبیعت۔ بڑے بھولے بھالے — تھی بیچ ایک معصوم لڑکی بھی اُنکے

بقیہ صفحہ گذشتہ۔ ڈولے دینے لگے تھے۔ پرتاپ نے راجپوتی غیرت کو قائم رکھا تھا نہ لڑکی ہی دی تھا منظور کیا نہ اطاعت قبول کی۔ برسوں جنگلوں کی خاک چھانی۔ بیوی بیٹیوں کو لے کر بے خانہ و خانماں پھرتا رہا۔ مگر عہد نہ توڑا۔ ۱۔ پرتاپ کا باپ۔ ۲۔ پرتاپ کا دادا۔ بابر کے ساتھ لڑا تھا جسم پر اسی زخم تھے۔ بڑا بہادر تھا۔ ۳۔ راجپوت عورتیں اپنے بچوں کو خود ہتھیار پہنا کر جنگ میں بھیجتی تھیں۔ اور انہیں کہتی تھیں واپس آئے تو فتح پا کر آئے۔ نہیں تو وہیں جان دے دو۔ ۴۔ اودے سنگھ کا جنرل بڑی بہادری سے لڑ کر مارا گیا۔ ۱۱۔ راجپوت ویر ہوئے ہیں۔

یکا یک مہرشی نے انگلی اٹھائی
کہ دیکھو وہ ما ہے ہماری تمہاری

جہاں دیکھو کوئی دیوی کھڑی ہے سمجھ لو یہ طاقت بڑی نادری ہے
جھکو اُس کے آگے نجابت یہی ہے پکار اُٹھے سب تو غضب کا جتی ہے

ہے نظروں میں ما جس کی معصوم بالا
دیانند سوامی! ترا بول بالا

۲۶- کروڑ کی گدی

اودے پور سنہ ۱۸۸۲ع

رشی کا اودے پور میں بجا جا کر ڈنکا بہ نفس نفیس آ کے ڈیرے پہ رہتا
ہوا معتقد شہر کا شہر سارا سبق راج کا تھا مہاراجہ پڑھتا

رشی اُس کو گُر سلطنت کے سکھاتے
ریاست کے تھے اچھے دن آئے جاتے

سُدھرنے لگی سب رعایا بھی اُن کی کہ پرجا تو راجہ کا ہے عکس ہوتی
لگی راج کی ہونے اصلاح جلدی دلوں میں حکومت کی کل پھر گئی تھی

۱- خاتون - عورت - ۲- شرافت خاندانی - ۳- حواس پر قابو رکھنے والا - پرہیزگار - ۴- لڑکی - ۵- مثل ہے یتھا راجہ تتھا پرجا - یعنی جو رویہ راجاؤں کا ہوتا ہے - رعایا اس کی تقلید کرتی ہے۔

نہ باتخت وافسر میں جھگڑا رہا کچھ
نہ محکوم و حاکم میں رگڑا رہا کچھ

ہوئے حاضر اک روز خلوت میں راجا کہا عرض کرتا ہوں اِک لیے مہا با
ہے مندر مرے راج کے ساتھ لگتا ہے جاگیر پر اُس کی لاکھوں کا پٹّا
بُتوں کی اگر چھوڑ دو ھٹ سنجو ڈنڈی!
تو حاضر ہے چرنوں میں مندر کی گدی

رشی غیظ میں آ گئے یہ عرض سُنکر کہا گدی کتنی ہے نازاں ہو جس پر
ترے راج کی بھی تو ہے حد مقرر جسے میں جا ہو اک دوڑ میں جاؤں باہر
ہے بے انتہا راج سائیں کا میرے۔
تری حب میں مانوں کہ بھاگ آؤں اُس سے

سُنی جب یہ تقریر ڈنڈی گورو کی ہوئی کرکری کلغی والے کی شیخی
گرا پاؤں میں اور مانگی معافی کہا تھی پرکھ ہم کو کرنی سو کر لی
تری خاک پا سیم و زر سے ہے اعلیٰ
دیانند سوامی! ترا بول بالا

۱۔ جاگیر کا پٹّا یعنی محصول جس کا محصول لاکھوں تک پہنچے۔ وہ کتنے کی مالیت ہوگا۔ ۲۔ سنگاسن۔ تردید۔
۳۔ غصّہ۔ ۴۔ پرماتما۔

۲۷- یوں ہی بت پرستی کی ٹھی ٹوٹی-

لگے جودھ پور کو جو جانے مہرشی کسی نے کہا سوچ کر ہونا راہی-
بھیڑوں[۱] کا ہے چھتہ- جودھ پور کی نگری بڑا ہے برا فتنہ گھٹی[۲] میں اُن کی

کہا- یاں غمِ اہلِ خرد کا نہیں ہے
مرا دل جہولوں کے غم میں حزیں[۳] ہے

تڑپتے ہیں ہم تا کچھ انکو سکھائیں جو حیواں ہیں ہم اُنکو انساں بنائیں
جو بتّی بنا کر وہ ہم کو جلائیں مری اُنگلیاں کاٹ کر توڑ پائیں.

اُجالا[۴] ہو کچھ اس شرارت سے اُن کی
مرا دل جلا پائے راحت سے اُن کی

کسی معتقد نے کہا اک دن اُن سے رشی! تم ہو محبوب سارے جہاں کے
بہت خاک پا پر تمہاری ہیں صدقے بہت پیاس ہیں خوں کی ہیں مرتے

جو احساں زمانے پہ تم نے کیا ہے
عوض اُس کا جو دے زمانہ بجا ہے

۱- درجہ انتہا کے جاہل- ۲- گھٹی جو پیدا ہوتے ہی بچہ کو پلاتے ہیں- مراد یہ کہ فتنہ اُنکی طبیعت کا خاصہ ہے- ۳- غمگین ہے- مراد یہ کہ ہمیں داناؤں کا فکر نہیں- بیوقوفوں کا غم ہے- ۴- روشنی-

نہیں ایسے انساں سدا جنم لیتے نہیں درشن ایسے ہر شن روز دیتے
نہیں نا خدا روز یہ کشتی کھیتے نہیں انڈا سونے کا ہنس پنچھی سیتے

جتن ایک اپنا ہم کو بنالے دو بھگون
ہدایت سے ملے اور کو۔ ہم کو درشن

کہا۔ دیکھنا بات کرنا نہ ایسی یوں ہی بت پرستی کی عقل نو پڑتی
ملے جس سے مٹی ہیں تعلیم حق کی ہوئی یادگیا؟ وہ ہے توہین میری

میری راکھ تک کا نہ باقی نشاں ہو
میں خوش ہوں کہ رکھا دھینی کا اُسکو

سُنی معتقد نے جو تقریر سوامی کہا دل کو بھائی یہ تقریر سوامی
پڑھینگے جو ویدوں پہ تفسیر سوامی پھر گئی ان آنکھوں میں تصویر سوامی

ہے مر کر بھی جینوں کے کام آنیوالا
دیانند سوامی اتیرابول بالا

۱۔ انساں - ۲۔ ملاح ۔
۳۔ جو آپ کے بت کو دیکھے گا۔ آپ کی صفات اُسے یاد آئیں گی۔ اور ممکن ہے۔ اسکی طبیعت میں وہ صفات آجائیں۔ مجسمے بنوانے کا ایک مدعا یہی بتایا جاتا ہے۔
۴۔ بنیاد۔ پچھلے دنوں تجویز ہوئی تھی۔ کہ جس جگہ سوامی کا جسم جلایا گیا تھا۔ اس جگہ اُن کی یادگار میں ایک ویدی قائم کردی جائے۔ آریہ سماج نے اسی خیال سے اس تجویز کو نامنظور کیا تھا کہ کہیں زیارت گاہ نہ بن جائے۔

۲۸- کہا گود میں شیر کی بیٹھے کتیا-

مہاراجہ درشن کو سوامی کے آتے | بڑے عجز سے پاؤں پر سر جھکاتے
تبھی بیٹھتے جب مہرشی بٹھاتے | منو کا بچن ان کو سوامی سناتے

کہا جوڑ کر ہاتھ راجہ نے اک دن
دیا کیجے بندوں پہ بندوں کے محسن!

کبھی راج محلوں میں تشریف لاؤ | غریبوں کے ڈیرے کی رونق بڑھاؤ
یہ پیاس اہل دربار کو ہے بجھاؤ۔ | کبھی گھر پہ پیاسوں کو امرت چکھاؤ

نہ رکھو غنا خاطر مطمئن ہیں
بچھی ہیں یہ آنکھیں سما جاؤ ان میں

گئے دوسرے دن جو دربار ڈنڈی | خبر دی نہ راجا کو آمد کی اپنی۔
مہاراجہ کی تھی جہاں تھی چہیتی | یہ پہنچے تو تھی اٹھ رہی اس کی ڈولی

مہرشی کی جھٹ خون آنکھوں میں اترا
کہا۔ گود میں شیر کی بیٹھے کتیا؟

۱- منوسمرتی - بالخصوص اس کا وہ حصہ جس میں طریق سلطنت کا بیان ہے۔ ۲- بے پروائی جوگیوں کو کسی کی پرواہ ہے - اُن کا دل شانت ہے - راجوں کا انہیں لحاظ کیا؟

۳- ایک فاحشہ تھی - راجہ کو اس سے بہت محبت تھی۔

گئے ڈوب سکتے میں دربار والے ہے نقش دیوار حیراں کھڑے تھے
نگہ شرم سے بادشہ کی تھی نیچے اشاروں میں دیوار و در یہ تھے کہتے
ترے رعب نے رودر راجوں کو ڈالا ۔ دیانند سوامی! ترا بول بالا

امرت کا پیالہ

جھڑک کیا ملی جو گئے نکتہ داں سے اٹھا دل مہاراج کا ننھی جاں سے
یہ ننھی پہ اظہر تھا[1] روزِ عیاں سے کہ پنچھی گیا بھاگ راہ کماں سے۔

مہاراجہ کو آئی عصیاں[2] سے نفرت
پریشاں ہوئی ننھی جاں کی طبیعت

کنارہ کیا شاہ افسوں نواز[3] نے کلیجے میں غم کے لگے تیر اترنے
لگی شاہ دلجو[4] کی فرقت میں مرنے لگی سازباز اہل دولت سے کرنے

تھے سازش میں شامل وہ سب اہلِ دولت
گئی[5] جن سے ننھی چھن عنانِ حکومت

برہمن رشی کا تھا بھوجن بناتا اسے دے کے رشوت شریروں نے گانٹھا
رشی دودھ پی کر جو کھٹیا پہ لیٹا ہوا پیٹ میں یک بیک درد پیدا

۱- روزِ روشن سے زیادہ ظاہر تھا یعنی وہ اچھی طرح جان گئی۔ ۲- گناہ۔
۳- جس کی نظر میں جادو تھا۔ محبوب۔ ۴- محبوب - دلدار۔
۵- راج میں اصلاحات کی وجہ سے ۔

یوں ہی سوتے سوتے کئی بار جاگے
کہ رہ رہ کے تھے پیٹ میں پیچ پڑتے

تھکے جوگ کا زور سارا لگا کر
جو تھی پیٹ میں زہر آئی نہ باہر

جگایا برہمن کو آواز دے کر
کہ سچ کہو دودھ آج کیوں تھا مکدر

وہ کرتا رہا صاف انکار پہلے
نگہ سے ٹھکانے گئے ہوش اسکے

رِشی کے لگا کہنے پاؤں پہ گر کر
کہ سوامی جی! گگنا تھ نے کھائی ٹھوکر

کسی اہلِ دولت کے جھکے میں آ کر
پیالے میں دی دودھ کے زہر حل کر

ہے سولی پہ کھینچا ہی قسمت میں میری
نہیں میرا پرلوک میں آہ! کوئی

معاف آپ کر دیں۔ تو شاداں رہونگا
نہ دوزخ کی زحمت سے ہرگز ڈرونگا

خوشی سے تیاری اجل کی کرونگا
قدم ہلکا راہِ عدم میں دھرونگا

کہا۔ تو نے ہم کو بتایا ہے سچ سچ
یہ لے زادِ راہ۔ بھاگ ورنہ نہیں بچ

۱۔ میلا۔ ملاوٹ والا۔ ۲۔ اُسی برہمن کا نام تھا۔ جو سوامی کا بھوجن بناتا تھا۔
۳۔ دوسرے لوک میں۔ بخشنے میں۔ یعنی مرنے کے بعد۔ ۴۔ بغیر کسی بوجھ کے مرونگا
۵۔ راستے کا خرچ ۔

تجھے زہر اپنے لئے انگیٹھی سے | مگر تم ہیں بھارت کے خاطر حزیں ہے
کہاں کے تاروں نے ہاں ہاں یقیں ہے | خدا دان تجھ ساز میں پر نہیں ہے
جو دے زہر کے مول امرت کا پیالہ | دیانند سوامی ترا بول بالا

اجمیر ۳۰- امر جوت سمہ ۱۸۸۳ع

لگے میرے سوامی کو چھالے ستانے | لگے پھیلنے دست انہیں زور آ
کیا زہر کا کام الٹا دوا نے | نہ آئی طبیعت نہ آئی ٹھکانے
پھر رشی کی قسمت کے تھے پھیر الٹے
معالج ٹھہرا نہ سب ننھی جان کے
رہے دست پر دست ہر روز جاری | لگی ہونے بیہوشی اور دہ کے طاری
حرارت سے بڑھنے لگی بیقراری | رشی کو ہوئی لاگو شامت ہماری
پھپھولے اٹھے ناف سے تھے زباں تک
جگر سے ہی سوز پہنچا تھا جاں تک
وہ سوامی جو ہاتھی کی طاقت رکھتا | اٹھی تیغ کو ہاتھ سے ٹکڑے کرتا
تھا بیخوف راجوں کے سر پر گرجتا | تھا لاچار گھٹیا پہ آج آہ لیٹا

۱۔ مستشہد ۔ ۲۔ دل غمگین ہے ۔ ۳۔ رحمدلی ۔ ۴۔ ہماری بدقسمتی کہ رشی ایسے بیمار ہوئے ۔ ۵۔ دیکھو لنگوٹ والا ۔ صفحہ ۔ ۶۔ دیکھو شمشیر شکن صفحہ ۔ ۷۔ دیکھو صفحہ

تڑپتے کٹیں درد سے سترہ راتیں
نہ آرام آیا ذرا جودھ پور میں

لگے کہنے سوامی - چلو کوہ آبو　　نہیں چین آتی کا یاں کوئی پہلو
ہوا میں ہے ہوتا پہاڑوں کی جادو　　کہیں روگ کا جبر کشا ٹھہ ہو دارو

لگے راجہ رونے کٹی ناک میری
مہرشی گئے راج سے میرے روٹھا

رشی کو سلایا گیا پالکی میں　　لٹا دو با کھڑ راجہ شرمندگی میں
نہ رکھا دقیقہ اٹھا بندگی میں　　کہا پاؤں پر گر کے - ارماں رہے جی میں

جو صحت میں کرتا مہرشی کو رخصت
نہ یوں پاؤں پڑنے میں ہوتی ندامت

کسی ڈاکٹر نے جو سوامی کو دیکھا　　کہا - تیرا سا دھوا جگر ہے غضب کا
تو اس درد میں جمعیت سے ہے جیتا　　نہیں اُف زباں سے ترمی کوئی سنتا

گئے کوہ آبو سے اجمیر سوامی
اشاروں میں کرتے تھے شیریں کلامی

کہا ایک دن کوئی نائی بلاؤ　　ہمیں آج پانی سے مل کر نہلاؤ
جو کھانا کہ ہو سب سے شیریں پکاؤ　　حلاوت کا اک خانچہ بھر کے لاؤ

تھے سب شکر کرتے ہے حال آج اچھا
خبر کیا، سنبھالا[1] تھا بیمار لیتا

نہا کر جمایا مہرشی نے آسن — ہوئے دھیان میں محو کھلوا کے روزن[2]
سُریں وید کی میٹھی میٹھی نوازن[3] — پکڑتی تھیں انوار[4] رحمت کا دامن

رضا پر کہا تیری سائیں! ہوں راضی
وہ لو آتما سانس کے ساتھ چل دی

رشی جس سے آخری نیند سویا — تھا چہرے پہ نور اب بھی اس کے جھلکتا
گورودت[5] کہ رکھتے تھے ایمان لو وا — سماں دیکھ کر اُن پہ چھایا اچنبھا۔

کہا مر کے بھی تم نہیں سوامی! مرتے
ہیں مردار ہم جیسے مرنے سے ڈرتے

۱۔ مرنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے بیمار اچھا ہو جاتا ہے۔ اُسے سنبھالا لینا کہتے ہیں۔

۲۔ روشندان۔ ۳۔ اونچی گاتی ہوئی۔ گویا وید خود بولتا تھا۔

۴۔ جھروکوں سے سورج کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔ ادھر سوامی جی آواز میں وید منتر گا رہے تھے۔

(۵) پنڈت گورودت ودیارتھی ایم اے۔ جن کی جائے ولادت ملتان تھی۔ نہایت شاندار زمانہ طالب علمی کے بعد ایم اے ہوئے۔ اس امتحان میں پنجاب میں اول رہے۔ آریہ سماج کے ممبر ہو کر بھی پرماتما کی ہستی کے پورے قائل نہ تھے۔ سوامی جی کی موت کا نظارہ دیکھ کر آستک ہوئے۔ اُن کے دوستوں کو آج تک یاد ہے۔ کہ اجمیر سے واپس آ کر اُن کی

زمیں کی کہتی ہے مٹی سے میری — خلا میں خلا باد میں باد پہنچی
یہ کہتی ہوئی آگ بیدی سے اُٹھی — ہمارا مہرشی! ہمارا مہرشی

کیا جوت نے تیری ہر سو اُجالا
دیانند سوامی! ترا بول بالا

بقیہ ص - چال ڈھال شکل صورت - وغیرہ سب میں کس قدر تبدیلی واقع ہو چکی تھی - اب وہ نہایت سنجیدہ تھے - اور ہمیشہ خیال میں مستغرق رہتے تھے ٭

۱- آریہ فلاسفروں نے تمام موجودات کی علّت پانچ عناصر مانے ہیں - (۱) خاک یا زمین (۲) جل - (۳) اگنی - (۴) باد یعنی ہوا - (۵) خلا یعنی آکاش - تمام اجسام انہیں عناصر سے مرکب ہیں - مرنے کے بعد ان عناصر کی ترکیب ٹوٹ کر ہر عنصر اپنے عنصر میں جا ملتا ہے - ایسا ہی سوامی کے انتقال پر ہوا - سوامی سے عناصر کو محبّت تھی - سب اپنا اپنا حصہ بڑے چاؤ سے مانگنے آ گئے ٭

۲- جہاں سوامی کو جلایا گیا - جلانے کی جگہ کو بیدی کہتے ہیں ٭

۳- یعنی سوامی کا انتقال دیوالی کے دن ہوا جب سب طرف چراغ جل رہے - سوامی جی کی جوت کا اُجالا بدیہی طور پر نظر آتا تھا ٭

رشی دیانند ساگر

کا

ضمیمہ

یعنی

وہ نظمیں جو رشی دیانند کی شان میں اخبارات

کے

خاص نمبروں میں شائع ہو چکی ہیں

رشی کے چرنوں میں

آنکھ نورانی ہوئی دیکھ کے صورت تیری
دل توانا ہوا یاد آئی جو سیرت تیری

شکر! صد شکر! رشی خاطر ہوئی دل کی
کر گئی سینے میں گھر جب سے محبت تیری

بال بال اُن کا ہے برکت میں ہما سے بڑھ کر
لیتے سر پہ ہیں جو ایک ایک ہدایت تیری

زہر [illegible] جیا [illegible] تُو نے
گو نہیں زندہ ہمیں شان شہادت تیری

دوست دشمن تیری حق گوئی کے خوب رہے
رو کشِ آئینہ تھی صاف صداقت تیری

۱- رشی سے عقیدت ہونے سے پیشتر دل بے طور ٹھکانہ تھا۔ کبھی اس عقیدے کا قائل تھا کبھی اُس عقیدے کا۔ جب سے رشی کے قدموں پر سر رکھا۔ دل کو یکسوئی حاصل ہوئی۔ بارے پریشانی سے نجات ہوئی۔

۲- فارسی شاعروں کا وہ فرضی پرندہ جس کے سایہ میں آنے سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ سوامی کی ہدایات پر چلنا ہی ہما کو پیچھے چھوڑتا ہے۔ ایک ایک بال میں ہما سے برکت ہوتی ہے۔

۳- رشی کی موت زہر سے ہوئی۔ کئی بار پہلے بھی انہیں زہر دی گئی۔ وہ ہمیشہ ہی امرت کے چشمے بخشا کئے۔ معرفت کی وہ وہ باتیں سمجھائیں۔ کہ عاقل کے لئے دریچہ کھل گیا۔

۴- آئینہ میں نظر ڈالنے سے اپنا منہ نظر آتا ہے۔ انسان خود بینی کا عادی ہوتا ہے۔ رشی سب کے عیب و ثواب صاف کہتے تھے۔ اس میں اپنے پرائے کی تمیز نہ تھی۔ نتیجہ یہ تھا۔ کہ جو اُن کے نزدیک کوئی دن رہا۔ خواہ مخواہ خود بینی سے باز آیا۔

کبھی آچاریہ کہا تجھکو کبھی یوگیشر
وید کے علم نے دی تجھ کو فضیلت کیا کیا
حق شاگردی ادا تو نے کیا عالم میں

سچ تو یہ ہے نہ کھلی ہمہ حقیقت تیری
حافظ وید ہوئی جب سے فضیلت تیری
ہوئی اُستاد زمال پہنچی سعادت تیری

سر کے بل جائے جو قدموں میں رشی کے صادق
کچھ تو ہم جانیں رشی سے ہے عقیدت تیری

پیارے کی تصویر

ٹکڑا اک کاغذ کا ہے یا رنگ کی پڑیا ہے تو؟
ہاں چمک بھی تجھ میں ہے روشن کی ایک بیچ تو
پشت پیچھو دیکھی ہے۔ وال آئی کھو رو گیا ہو تو
اسقدر پیاری جو چھر لگتی ہو سچ کہہ کیا ہو تو

بقیہ صفحہ ۱ اپنی حقیقت اُن کی تحقیق سے بھی ایسی کھلی جیسے شیشہ دیکھا ہو۔

۵۔ گورو ایسا مرشد جو حقیقت کی راہ دکھائے ٭

۶۔ جوگیوں یعنی مرتاضوں کا سرتاج۔ ۷۔ بزرگی۔ ۸۔ حفاظت کرنیوالی۔ ۹۔ علم

۱۰۔ گورو کا حکم تھا۔ کہ گھر بار چھوڑو۔ جنگلوں میں رہو۔ تھوڑے پر قناعت کرو۔ اپنا آرام گنواؤ۔ دنیا کا بھلا کرو۔ وید کا گیان عالم کے کونے کونے میں پہنچاؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں رشی نے جی جان کو جوکھوں میں ڈالے رکھا۔ اُستاد کی فرماں برداری میں رشی دنیا بھر کے لئے مثال ہے۔

دِل نہیں تجھ میں دِلارائی کی پرتا شیر سے
ہاں نہیں پیارا۔ مگر پیارے کی تو تصویر ہے

وہ سرِ پُر مغز بیچ میں اُٹھا ہوا ! ہر سرِ مو جس کا ذاکر تیرے ذکر و فکر کا
چوڑی پیشانی سراسر مطلع ذہن و ذکا روشن آنکھوں میں سُرُورِ سرمدی کی

پھُول سے ہیں گال۔ دکھلاتے تجرد کی بہار
چھُو نہیں سکتا انہیں جھونکا خزاں کا زینہار

سینہ صافی کی وہ وسعت کہ دو عالم ہیں تنگ دیکھکر بازو کی طاقت پہلوانِ دنیا کے
قوم کی اصلاح ہو جس سے وہ چھاتی میں اُمنگ طبع نورانی کو زیبا ہے ترا نورانی

دید کی تانوں سے بہتا چشمہ حیواں گلو۔
اِس لبِ معجز نما سے ٹپکا امرت چار سُو

۱۔ ذکر کرنے والا۔ بیچ میں اُبھرا ہوا سر جیسا سوامی کا ہے۔ کثرت عبادت کی نشانی ہے۔ ۲۔ طلوع ہونے کا مقام۔ ۳۔ ہمیشہ قائم رہنے والی لذت جو جوگیوں کو حاصل ہوتی ہے۔ مرتاض کی آنکھوں میں اس لذت کی روشنی پائی جاتی ہے۔ ۴۔ مجرد رہنا +

۵۔ سوامی کو دُنیا اور عاقبت دونوں کی اصلاح کا خیال تھا۔ لیکن اس میں اُس کی تسلّی نہ تھی۔ کوئی اور دُنیا بھی ہوتی۔ تو سینے میں سما جاتی +۔ ۶۔ بڑھ کر ۷۔ آبِ بقا کا چشمہ۔ ۸۔ معجزہ کرنے والے ہونٹ۔ مراد یہ ہے۔ کہ سوامی کے اُپدیش سے لاکھوں کی نجات ہوئی +

سخت تر فولاد سے ہیں سب بدن کی ہڈیاں — جسم کی طاقت کے پردے میں نہاں دل کی دوا
رکن ہیں قصرِ بدن کی سخت رانیں پنڈلیاں — یوگ کے آسن کو شاباں ہیں یہ چوڑی پٹھیاں

کیا تنِ عریاں پہ تیرے کر سکیں بدخواہ چوٹ
لاکھ جوشن سے کڑا ہے اک تجرد کی لنگوٹ

چاہتا ہے جی ترے قدموں میں ہی سر کو جھکا — اور نہ ہو شوخی بے ادب تو لیں گلے سے بھی لگا
تجھ کو آنکھوں پر رکھیں پر آیا شک کی لٹھیاں اُٹھا — پھول سے بڑھ کر ہے تو موتی ہیں ہم کنکر بنا

بت پرستی کا نہ ہوتا دور تو تجھ کو پوجتے
ہم دیانند آج ہوتے بھگت اگر ہوتے ترے

تلاشِ حق

اے تلاشِ حق! کہاں تھی تیرا پاکیزہ مقام؟ — کس زبانِ پاک سے لیتے ہیں تیرا پاک نام؟
جلوہ گر کیا عرش پہ ہے تیرا ملکوتی نظام — اے صفا کیشوں کی دیوی! کیا تجھے جھوٹ سے کام

۱۔ بدن ایک محل ہے اور رانیں اُس کے ستون ہیں۔
۲۔ ریاضت۔ مرتاض لوگوں کی بیٹھک خاص قسم کی ہوتی ہے۔
۳۔ ننگا جسم۔ ۴۔ زرہ بکتر۔
۵۔ بے ادبی۔
۶۔ فرشتوں سے تعلق رکھنے والی ترکیب۔ عالمِ بالا کی بندش۔
۷۔ وہ لوگ جن کا مذہب دل کی صفائی ہے۔

جا بجا یاں جال ہیں تدبیر کے پھیلے ہوئے
بند کٹ جاتے ہیں درشن سے ترے ۔ وان جھوٹ کے

کون سے مندر میں تیری جلوہ گر ہے مورتی ۔ کن دیوں سے ہیں پجاری تیری کرتے آرتی
کیسا اواہن ہے تیرا ۔ کیا ہے پوجا کی ودھی ۔ دیتے صبح و شام ہیں کیا تجھ کو پنڈ آہوتی

چاہیے درشن کی تیرے ۔ اے دیوی کن آنکھوں میں ہے
چاہیے شکر گذاری تیرے ۔ کن ہونٹوں میں ہے

ہے کلیسا میں یا مسجد میں ہے تیرا مقر ۔ ہے مدینے میں تری منزل یا کاشی میں گھر
تیرا وہ بے لاگ جلوہ ہے مجھے مد نظر ۔ صاف پاتے ہیں جسے اہل بصیرت جلوہ گر

۱- زمیں پر ۔ ۲- مکاری ۔ ۳- جہاں تو ہے عرش پر ۔ ۴- محبت ۔
۵- بت کی تعظیم کے لئے اس کے آگے دیئے جلا کر پیش کئے جاتے ہیں ۔ یہ ایک سجدے کی صورت ہے ۔
۶- ایسا منتر پڑھنا جس سے دیوتا آموجود ہو ۔ ۷- طریق ۔ ۸- خوشبودار دھونی ۔ دیوتا کے خوش کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہے ۔
۹- وہ آنکھیں کونسی ہیں ۔ جو تجھے دیکھنے کی مشتاق ہیں ۔ اور وہ ہونٹ کونسے ہیں ۔ جو تیرے گیت گاتے ہیں ۔ بالعموم طبیعتیں سچ کی جویا نہیں ۔
۱۰- عیسائیوں کا بڑا گرجا ۔
۱۱- جائے قرار ۔ مقام ۔
۱۲- مسلمان مدینے حج کرنے جاتے ہیں ۔ ہندو کاشی کی جاترا کرتے ہیں ۔

لحنِ موہن کے گلو کا، چشمِ گوتم کی ضیا!
دوربیں آنکھوں نے گیلیلیو کی تجھکو پالیا
اس گئے گذرے زمانے میں کئی خوبی نقش اُستواری اہلِ عالم کے عقیدوں میں نہیں
دل کی کمزوری ہوئی غارت گرِ دینِ متیں صرصرِ اوہام سے بنیاد ہوئے سب قصرِ دیں
ہوگیا تیرا جنم پھر خطۂ گجرات میں۔
برق تھی دہقاں کو ڈھارس ان اندھیری راتوں میں
جاگنا شیوراتری میں اک برہمن طفل کا حق میں اپنے ہو گیا گویا ہو شمعِ ہدیٰ
سو گئے سب شام تا صبح رکھی چشم وا دل کی بیداری میں بار آور ہوا وہ رتجگا
اُٹھ رہے سینے میں تھے جو مول شنکر کے شرر
تیری مشعل تھی دیا سے طفل کو تھی کیا خبر؟

۱- موہن کرشن جی کا نام ہے۔ آپ بانسری بجایا کرتے تھے۔ یہاں گیتا کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں حقانیت کے رموز کی تفسیر کی گئی ہے۔
۲- گوتم بدھ۔ حق کی تلاش میں گھر سے نکلے اور بدھ مذہب کے بانی ہوئے
۳- آلۂ دوربین کا موجد۔ ۴- عقیدت کا کال ہے۔ ۵- مضبوطی۔
۶- مضبوط مذہب کی بنیاد دل کی کمزوری کی وجہ سے کھوکھلی ہے۔
۷- وہم کی آندھی نے دھرم کے محل کی بنیاد کچی کردی ہے ÷
۸- سوامی گجرات کاٹھیاواڑ کے رہنے والے تھے ÷
۹- بجلی سے خدا کا خرمن جل جاتا ہے۔ مگر نہایت تاریکی میں جہاں دیکھو—

صورتِ[1] وسدیو چھاتی سے لگا دو تجھے — نند کا گھر ڈھونڈھتا تھا تا تجھے سونپ آئے
ماں سے کھٹکا تھا اِدھر تو تھا اُدھر باپ سے — جائے حیرت تھی سلامت کسطرح تجھکو رکھے

پست کر سکتی نہ تھی تو زورِ اعدائے[2] قوی۔
نازک اعضا میں ترے تھی آرہی طاقت ابھی

پر جب دیکھا کہ دیوی کی حفاظت بھی محال — روز کے جھگڑوں سے جینا ہو گیا اپنا وبال
تب رہی ماں باپ سے اپنے نہ کچھ جائے سوال — مار پڑتی گر ذرا کرتا کسی سے قیل و قال

ہو گیا آمادۂ غربت[3] وہ ماں کا لاڈلا۔
تھی اُسے تیری حفاظت جان و ایماں سے سوا[4]

بقیہ صہ - ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھے۔ بجلی کا چمکنا ہی غنیمت ہے۔ کہ یہی گھر پڑی چیزیں تو نظر آتی ہیں۔ ۱۰- ہدایت کی لالٹین۔
۱۱- ساری رات جاگنے کا پھل یہ ہوا کہ دِل سے غفلت کا پردہ اُٹھ گیا۔ سچے شِو کی تلاش ہوئی۔

۱- وسدیو کرشن جی کے والد تھے۔ راجہ کنس کا حکم تھا کہ جب اُن کے لڑکا پیدا ہو حاضر کرکے تہ تیغ کیا جائے۔ وسدیو کو اُسکی بیوی سمیت جیل میں ڈال رکھا تھا کرشن پیدا ہوئے۔ تو وسدیو اُسے ماں سے الگ کرکے جمنا کے پار نند گوال کو سونپ آیا اور اس کی جگہ نند کی لڑکی جو اُسی رات پیدا ہوئی تھی۔ بیوی کی گود میں لا سُلائی۔ اسی طرح دیانند سچ کی کھوج کے پیدا ہونے پر اُسے بدخواہوں سے بچاتا پھرتا تھا بات کرے تو مار کھائے۔ کوئی سنتا نہ تھا۔ جو رات کے جاگنے کو اپنی گود میں نے
۲- زبردست دشمنوں کی طاقت۔ ۳- بے وطنی۔ سفر۔ ۴- بڑھکر۔

کن بیابانوں میں گذرا کن پہاڑوں پر گیا
وار جو تجھ پر ہوا وہ اپنی جان پر سہہ لیا

با اماں خونخوار جبڑوں سے درندوں کے رہا
ہر قدم پر خوف اسے گھر کے تعاقب کا رہا

چھپتے پھرتے ہیں اُسے جاسوس آتے تھے نظر۔

باپ نے بھیجی تھی اک پلٹن پسر کی کھوج پر

سانپ کے سر پر قدم دھرنا کبھی تیرے لئے
ریچھ پر سونٹا علم کرنا کبھی تیرے لئے

جیتے جی دم موت کا بھرنا کبھی تیرے لئے
خوف میں جینا کبھی مرنا کبھی تیرے لئے

آرٹ مل جاتی کبھی اس کو گھنے اشجار کی

برہنہ رہتا کھڑا جاڑے کی راتوں میں کبھی

آ گئے اہل علم کے کر نارہا گردن کو خم
پر نہ بھولے سے کبھی جھکنے دیا نیر اعلم

وہم کی ہستی مٹا دی تیغ حق سے بیعلم
دی ترقی جستجوئے علم حق کو دمبدم

۱۔ میڈم بلیوٹسکی اپنی کتاب موسومہ "ہندوستان کی غاروں اور جنگلوں کے حالات" میں ایک واقعہ بیان کرتی ہیں۔ کہ سوامی کے دشمنوں نے سوامی کے پاؤں پر ایک سدھا ہوا سانپ پھینکا تھا۔ اور کہا تھا۔ کہ خود دیوتا آپ کو سمجھا دیگا۔ سوامی نے ایک جھٹکے سے اُسے پاؤں سے دور پھینک دیا۔ اور پیروں تلے روند کر مار ڈالا۔ ۲۔ جنگل میں ایک دفعہ ریچھ ملا تھا رشی نے سونٹا سامنے کیا اور وہ بھاگ گیا۔ ۳۔ دیکھو سنیاس صہ

۴۔ دیکھو سنیاس صہ ۳۵ جہاں بیٹھا پایا کوئی سچا گیانی الخ

۵۔ جھنڈا۔ کسی کے لحاظ سے سچ کی تلاش نہ چھوڑی ؟

تجربہ[1] نقشوں پہ کرنے سے ہوئی اُسکو یہ تمنا
تا تکمل سعی چھوڑے - تھا یہ ازبس ناگوار

غربت نے کیا تھا خاطرِ نازک کو الیم[2] — فرقتِ والد سے تھا دل ملول شنکر کا دو نیم
یا ادھر تھی تو اُدھر تھی سیلِ بیم — ابرِ غم[3] سے افتادہ قطرہ تھا کہیں دُرِ یتیم

ڈھونڈھتی تھی دیدہ وائے صدف[4] نورِ نظر
تشنہ لب[5] کو بحر میں نایاب تھی آبِ گہر

فرقتِ والد کا اب آسیب کس کو یاد تھا — باپ کے سائے سے بڑھکر سایۂ استاد تھا
دیانند آج ورجانند کی اولاد تھا — منزلِ مقصود پہ وہ پہنچکر شاد تھا

۱- دیکھو صد سچ جھوٹ کی پرکھ ۲- رنجیدہ۔
۳- ایک طرف اُمید کی لہر تھی - کہ دیکھو کامیابی ہوئی - دوسری طرف ڈر کا طوفان تھا - کہ کہیں رہ نہ جاؤں ۔
۴- بادل سے گرا ہوا قطرہ - جب سیپ کے منہ میں جا پڑتا ہے تو موتی ہو جاتا ہے ۔
۵- سیپ آنکھیں کھولے دیکھتی تھی - کب قطرہ گر کر میرا نورِ نظر ہوتا ہے شری ورجانند کے آنکھیں کھو بیٹھنے کی طرف اشارہ ہے - اُنہیں نورِ نظر کی ضرورت تھی - سو دیانند جا ملا۔ ۶- سمندر میں رہ کر سیپ کی پیاس نہ بجھتی تھی - کیونکہ اُس کے ہونٹ معمولی پانی سے تر نہ ہوتے تھے - اُسے آبِ گہر درکار تھی - متھرا میں رہتے شری ورجانند کوئی ہونہار شاگرد نہ پا سکے - اُنہیں دیانند سا روشن طبع شاگرد چاہئے تھا ۔ ۷- صدمہ

حسبِ دلخواہ ایک مندر اب اُسے آیا نظر
دل سے دیوی کو نکالا - کر دیا واں جلوہ گر

اندھکار تیرا اٹھا حق اچھا پاکیزہ لقب ¹ سرسوتی اور ² لکشمی سے تھا معزز
تھی تجلی گو تری ظلمت ربا رو کش شب ³ آگئی پرکاش میں کہلائی تو ⁴

صورتِ خورشید تیرا نور پھیلا ہر طرف
روشنی سے ہو گئے لبریز سب لعل و خزف ⁵

پھر ہے روشن سے ہزاروں شمع حق کا دل کا باغ ⁶ دیپ مالا کے ہو بہار سو روشن چراغ
نورِ حق کامل کیا تیری تجلی سے سراغ ⁷ حسرت پابوس کا تیری مٹا سینوں سے داغ

آتما تب شانت اس کامل مہرشی کی ہوئی
محو گویا روشنی میں ہو گئی پھر روشنی ⁸

۱- علم کی دیوی۔
۲- دولت کی دیوی۔
۳- تیرا پرتو رات کا اندھیرا مٹانے والا تھا۔
۴- تو روشنی میں آئی۔ ستیارتھ کے معنی حق۔ مندر سے مراد ستیارتھ پرکاش ہے جس میں سچ کی دیوی کو جلوہ گر کر کے روشنی میں لایا گیا۔
۶- پھلجھڑیاں۔
۷- سوامی کا انتقال دیوالی کے دن ہوا تھا۔
۸- انتقال ہوا۔

آج پھر قسمت سے صادق! ہے وہی شوراتری — جلوہ گر جس میں ہوئی پاکیزہ دیوی صدق کی
ہے اچھی مہورت بھی وہی اچھی گھڑی — مانگ لے تو بھی جو کچھ تُو دل میں فوق روشنی

سائل اے دیوی! تری تنویر کا صادق بھی ہے
منزل تاریک کرتی ہے اُسے دنیا کی طے

شوراتری

صادق! اُٹھ آج شو کو رجھانے کی رات ہے — رُوٹھے ہوئے کو پھر سے منانے کی رات ہے
پر کہاں مُفت گنوانے کی رات ہے — پتھر سے دل کو موم بنانے کی رات ہے

اُٹھ بھوک پیاس جھیل۔ تو چرنوں میں شو کے جا
درشن سے شو کے دل کی بھی اشتہا مٹا

پردے میں تیرگی کے ہے وہ نور آشکار — اس تیرگی پہ ہو گئی خود چاندنی نثار
صدقے اندھیری رات کے خورشید نور بار — آنکھوں پہ کچھ عیاں نہیں جز ذات کردگار

۱۔ روشنی کرنا۔
۲۔ اندھیری منزل۔
۳۔ شوجی کی پوجا کرنے والے شوراتری کو رَت جگا کرتے ہیں اور بغیر کھانے پینے کے برت میں وقت کاٹتے ہیں۔
۴۔ بھوک۔
۵۔ یہ رات نہایت تاریک ہوتی ہے اور سوا سائیں کے کچھ نظر نہیں آتا۔

دِکھلائے تیرگی نے وہ انوارِ دلنشیں[1]
اب ماسوائے یار کچھ آتا نظر نہیں۔

حیرت فزا[2] ہیں تیری یہ شب کو تجلیاں　　انوار ہیں نہاں ہے تو ظلمت[3] میں آشکار
ڈھونڈھا کہاں کہاں تجھ کو مگر پا لیا کہاں　　کیا علم تھا دھندلکے میں ہے چاندنی بہار
یوگی نہ تجھ کو دیکھ سکے۔ آنکھ کھول کر
جھپکائی جب پلک تو وہیں آ گیا نظر

اِس تیرہ شب[4] کو تو نے بنایا اسی لئے　　تا موہنی چھبی[5] تری جی بھر کے دیکھئے
بدخواہ سے ہو خوف نہ کھٹکا رقیب سے　　خلوت میں وصل یاب ہوں دِلدادہ وصل کے
رہرو کو تا لگے نہ نظر آفتاب کی
ہوتی ہے دن کو رہزنئے راہِ حق[6] بھی
شوجی! وہ گھونٹ دو کہ رہوں مست بیخودی　　آنکھیں کھلی ہوں تو بھی یہ مستی رہی چڑھی[7]

۱۔ دِل میں گھر کرنے والی روشنی ۔ ۲۔ حیرت بڑھانے والی ۔ ۳۔ پرماتما کا دھیان آنکھیں بند کرکے کیا جاتا ہے۔ روشنی میں دل کی توجہ بکھر جانے سے یکسوئی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ ۴۔ اندھیری رات ۵۔ دلفریب صورت ۶۔ حقیقت کا راستہ رات کو طے ہوتا ہے۔ دنیا کے افکار سے نجات ہو کر دھیان خوب جمتا ہے۔ دن کو اس راستے میں چور پڑتے ہیں۔ طبیعت کی یکسوئی نہیں رہتی۔ خیال کو کبھی ایک فکر کھینچ جاتی ہے۔ کبھی دوسری۔ ۷۔ اہل پُران شوجی کی چہیتی خوراک بھنگ سمجھتے ہیں۔ یہاں مراد معرفت کی مستی سے ہے۔

گھٹی نہ وہ کہ جس سے تھے سرشار مولجی¹ پی کر جسے کھلی چشم² حقیقت نگر کھلی

بیہد اریوں کو مات کیا چشم مست نے
ہشیار سب کو کر دیا مست³ الست نے

پہیلی

سورج نے سر شام جو لی راہ سفر کی آدھا اخبر آ کے نہ گھر کی
تاروں سے تلافی ہوتی کہاں⁴ نی قمر کی بچوں سے سنبھالی نہ گئی کرسی⁵ پدر کی

اندھیر تھا گھر میں کہ بڑا کوئی نہیں تھا
گھر خاک میں مل جائیگا یہ سب کو یقین تھا

۱۔ دیانند کا بچپن کا نام مول شنکر تھا۔ پیار سے مول بلاتے تھے۔ شو راتری کی پوجا میں دل بت پرستی سے پھر گیا تھا۔ اور معرفت کے جویا ہوئے تھے۔ ۲۔ حقیقت کو دیکھنے والی آنکھ جو پتھر کو پتھر اور پرماتما کو پرماتما سمجھ سکے۔ ۳۔ قرآن کی ایک آیت ہے۔ جو الست سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے معنے ہیں۔ کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں۔ مست الست اس کو کہتے ہیں۔ جو پرماتما کی ہستی کا پورا شیدائی ہو۔ اور معرفت سے مست رہتا ہو۔

۴۔ شوراتری میں چاندنی نہیں ہوتی۔ کنایہ ہندوستان میں رہنماؤں کی عدم موجودگی کی طرف ہے۔

۵۔ چھوٹے چھوٹے مصلح موجود تھے۔ لیکن ان سے کیا اصلاح ہو سکتی تھی۔

تھا پردہ پڑا ایسا خلائق کی نظر پہ ۔ دیکھ[1] آنکھ نہ سکتی تھی جو ہو سامنے پتھر
بے کھٹکے کھلے پھرتے تھے سب[2] جن و بشر[3] ۔ تھا شیشۂ دل وہم کی مٹی سے مکدر[3]

آنکھوں کو تو دھوکا تھا کہ ہیں پوجتے شو شو!
اور دل کا تھا یہ حال کہ شو بھی کرے شو[4] شو!

وہ کیفیت اس رات کی شو دیکھ رہا ہے ۔ حیرت[5] میں ہے کیا انکی عقیدت کو ہوا
کچھ بولتا کہتا نہیں کیا رو دیکھ گیا ہے؟ ۔ سوتے نہیں پجاری یہ سبب ہے کہ خفا ہے
جے موش! سنا ہے تو ہے گنپت کی سواری
گر شو کو منا دے ۔ ترا احسان ہو بھاری
لو دید[7] نی ہے موش کی بیباک دلیری ۔ ڈنڈوت[8] نہ پرنام[9] نہ پرکرما نہ پھیری[10]۔

۱۔ بت کو پرماتما کہے جاتے تھے۔ پتھر جیسی کثیف چیز کی پہچان نہ ہو سکتی تھی
۲۔ چور اور چھپکلی کا ڈر۔ ۳۔ میلا۔ دل پر وہم کی رنگت چڑھی ہوتی تھی۔ ۴۔ ہائے شو
حیرت کے وقت یہ کلمہ کہا جاتا ہے۔ خود شو۔ ان کے دل کی حالت دیکھکر حیران تھا
۵۔ بت قدرتاً خاموش اور ساکت ہوتا ہے۔ شاعر کے خیال میں یہ حیرت کی وجہ
ہے علی ہذا القیاس آگے کے مصرعوں میں ایسی ہی تاویلیں کیگئی ہیں۔ ۶۔ اے چوہے
تیری جے۔ یعنی کہ چوہا شو راتری کا نظارہ دیکھنے والا اس سے ادب سے
مخاطب ہوتا ہے۔ چوہا گنیش کی سواری ہے گنپت اور گنیش ایک ہیں۔ شو گنیش کا باپ
ہے۔ اسلئے موش کو بواسطہ گنیش جی شو جی سے تعلق ہے۔ ۷۔ دیکھنے کے لائق۔ ۸۔ سجدہ
کورنش۔ ۹۔ سجدہ۔ ۱۰۔ معبود کے گرد چکر لگانا یہ نہایت تعظیم کی علامت ہے۔

گستاخ ہے گستاخی ہیں کرتا نہیں دلبری آسن پہ چڑھا پھر بھی نہیں شوخ کو سیری

ہیں! بھینٹ کو شوجی کی ہے جو ٹھاکے دیتا

ہے خاک بھرے پاؤں سے شولنگ پہ چڑھتا

یہ بیداری ہے ؟ یا عالم رویا اے دل! یہ حقیقت ہے کہ دھوکا سراپا

سچ کہنا کھلی ہے کہ مُندی دیدۂ بینا! اس دیکھنے پر مجھکو یقین نہیں آتا۔

اے برت جگنے والو! کوئی ہشیار نہیں ہے ؟

ہیں جاگتے ۔ پردہ دل بیدار نہیں ہے

چوہے کے برابر بھی نہیں ہوش اگر ہو پتھر کے لئے قوم نہ یوں خاک بسر ہو

آنکھوں میں اگر پتلی ہو پتلی پہ نظر ہو سینے میں اگر دل ہو تو صاف اس کو خبر ہو

حیران ہوں سمجھ میں نہیں آتی یہ پہیلی۔

گنپت کی سواری ہے چڑھی پیٹھ پہ شو کی

۱۔ بُت کے بیٹھنے کی جگہ ۔ ۲۔ شو کا بُت ۔ ۳۔ جاگنے کی حالت۔

۴۔ خواب کی حالت ۔

۵۔ دل پر جہالت کا پردہ ہے ۔ عقل سے نہیں دیکھتے۔

۶۔ کمبھارت ۔

۷۔ گنیش بیٹا ہے ۔ شو باپ ہے۔ سواری پر سوار چڑھتا ہے ۔ مگر یہاں بیٹے کی سواری نے باپ کی پیٹھ پر زین کس لی ہے مقام حیرت ہے ۔

اے مخزنِ انوار! تو دروازہ ذرا کھول ۔ سب بُدھوں کے سردار! تو دروازہ ذرا کھول

شنبھو! مرے دلدار! تو دروازہ ذرا کھول ۔ ہیں طالبِ دیدار تو دروازہ ذرا کھول

پتھر میں نظر ہی نہیں آتی تری صورت

آ دِل میں مرے ۔ چاہیے گر گوشۂ خلوت

کیوں عام زیارت کی اجازت نہیں ملتی ۔ کیوں سب کو برابر یہ سعادت نہیں ملتی

سب پیاسے ہیں جس کے وہ حلاوت نہیں ملتی ۔ سب جس کو ترستے ہیں وہ لذت نہیں ملتی

ہاں! قیدِ تعیّن کی مٹا دے مرے پیارے!

وسعت کی لگن دل کو لگا دے مرے پیارے!

جلوہ ترا ہر روپ میں ہر رنگ میں دیکھوں ۔ شیشے میں تجھے دیکھوں تجھے سنگ میں دیکھوں

کاویری میں جو دیکھوں تو ہی گنگ میں دیکھوں ۔ [illegible] نہیں

تشنگی ہو مرے ... رہ کر دنیا سے کنارہ کشی کی مثال میں ... اب التجا دیتے نہیں

بیچ ... ہے کہ پانی میں رہ کر اس کی نمی سے متاثر نہیں

۲- دلدل سے امرت چھانا گیا۔ ... پولیس سے

۳- سوامی کا انتقال دیوالی کے روز ہوا تھا۔ ... امرت ... اس میں

۴- دیوالی کی ابتدا کیسے ہوئی؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ ایک ... راج کے جھگڑے دل

اُس روز شری رام چندر جی لنکا فتح کر کے اجودھیا ... مندر کو سرکاری

۵- رشی دیانند سے ۔ ... سنگ دیگر مقامات پر

۶- معرفت کے چراغوں کی قطار ہے ... سبھی دھرم سماج کے لئے کیا ہو سکتا ہے ۔

دفترِ باطل!

دیانند کتابیں لئے جمنا کے کنارے کھڑے ہیں۔ گورو کا حکم ہے۔ کہ انہیں جمنا میں ڈال دو۔ اُن کی جستجو میں اپنی محنت کا خیال آتا ہے۔ تو جی رُکتا ہے۔ اُس وقت جو دل پر گذرتی ہے۔ اس کا عکس ذیل کے اشعار میں مرقوم ہے ÷

استاد ہے کہ جمنا میں گرادوں تمکو — دل یہ کہتا ہے کہ چھاتی سے لگاؤں تمکو

پھل ہو تم کوہکنی کا مری ٹوٹے ورقو! — ہڈیاں کھینچتی ہیں اب جو گنواؤں تمکو

ہے دغا صاف اگر آنکھ چراؤں تم سے — صاف دھوکا ہے مگر اب جو چھپاؤں تمکو

میری قسمت کا نوشتہ ہے تمہارا ہر لفظ — محو کیونکر کروں؟ ماتھے پہ بٹھاؤں تمکو

تم مری لوری تھیں بالپن میں مرادو جنیگی — آج کن ہاتھوں سے لہروں پہ لٹاؤں تمکو

میرے انمول ہیرے بھینٹ مری! — میرے ہمراز ہو کسطرح بھلاؤں تمکو

گنپت کی سواری ہے چرتھی پیٹھ پر۔ تم میری ساتھی رہنا ہم

۱۔ ست کے بیٹھنے کی جگہ۔ ۲۔ شو کا بت۔ ۳۔ جاگنے کی حالت رہتا ہے۔

۴۔ خواب کی حالت۔

۵۔ دل پر جہالت کا پردہ ہے۔ عقل سے نہیں دیکھتے۔

۶۔ تجھارت۔

۷۔ گنیش بیٹا ہے۔ شو باپ ہے۔ سواری پر سوار چڑھتا ہے۔ مگر یہاں بیٹے کی سواری سے باپ کی پیٹھ پر زین کس لی ہے مقام حیرت ہے ÷

اے طلسمِ صورِ عالم فانی! مٹ جا
اے فریبِ غمِ ہستی! نہ مجھے دے دہوکا
سرے اس جہوٹ کے دفتر کو گرا دے اے دل!
صاف ہے۔ دفتر باطل کی ہے دفعت باطل
کم از طوفاں نہیں جہونکے جہکولے مجہ کو۔
ناخدا چھوڑ ہٹا جاتا ہے مجہ سے ساحل۔
علم ہے جس کا۔ کتابوں کے سبق سے بالا۔
آج قسمت سے ملا ہے وہ ادیب کامل۔
ان تو مشتوں سے کروں پیار کہ اس کا ثبت ...
... ہے قلمی جسم ...

... اب التجا دیتے نہیں
... میں رہ کر دنیا سے کنارہ کشی کی مثال ہیں
ا۔ فانی دنیا کی ظاہری ... ہیں۔ کہ پانی ہیں رہ کر اس کی نمی سے متاثر نہیں
۲۔ دلدل سے امرت چھانا گیا۔
۳۔ سوامی کا انتقال دیوالی کے روز ہوا تھا۔
۴۔ دیوالی کی ابتدا کیسے ہوئی؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ ایک ... راج کے جھگڑے دل
اُس روز شری رام چندر جی لنکا فتح کر کے اجودھیا ... مندر کو سرکاری
۵۔ رشی دیانند سے ... ستسنگ دیگر مقامات پر
۶۔ معرفت کے چراغوں کی قطار ہے ... سبھی دھرم سماج کے لئے کیا ہو سکتا ہے۔

اے سعادت! رہ عرفاں میں مری راہبر ہو
حکم استاد کا سہرا ہو ہمارا سہرا ہو

خاک پا

شاگردی کے دنوں میں ایک دن دیانند کو ڈنڈی گورو نے لاٹھ ماری۔ کسی نے سمجھایا۔ حضرت! یہ سنیاسی شاگرد ہیں۔ برہمچاری اور تپسوی ہے۔ اسے مارنا یا دھمکانا مناسب نہیں۔ آسے تعظیم سے پڑھانا چاہیئے۔

دیانند کو معلوم ہوا تو حاضر خدمت ہو کر یہ التماس کی :-

ہنیں اکسیر سے کمتر مجھے کچھ خاک پا بھگوّن!
مجھ ایسے کُندن اگر گئی ٹھوکر ہتی کیا بھگون!
میرا اِل ہول جھیں ا انند ا ٹھوکروں سے دھجیاں کر دو
گنپت کی سواری ہے جو تھی پیٹھ و مجھ میں دبا بھگون

۱۔ شبت کے بیٹھنے کی جگہ۔ ۲۔ شو کا بُت۔ ۳۔ جاگنے کی حا
۴۔ خواب کی حالت۔
۵۔ دل پر جہالت کا پردہ ہے عقل سے ہنیں دیکھتے۔
۶۔ کُمبھارت۔
۷۔ گنیش بیٹا ہے۔ شو باپ ہے۔ سواری پر سوار چڑھتا ہے۔ مگر یہاں بیٹے کی سواری نے باپ کی پیٹھ پر زین کس لی ہے مقام حیرت ہے۔

یہ سنیاسی ہے ویراگی۔ تپسوی۔ برہمچاری۔ نکموں نے
اسے مارا نہ کیجے۔ آپ سے کس نے کہا مذوں نے

وہ پاؤں دابنے دیجے آپ بقا دیکھا
کہیں دُکھتا نہ ہو۔ پتھر سا پایا ہی چھبورا

سدا شاگرد پر اُستاد کی چشم عنایت
الو کبھی مہر خشم آلود میں صادق حلاوت

[illegible] پاؤں دو [illegible]
اچاہ

چھینٹ کے لونگ

گلاب سی ہے نہ تم میں رنگت۔ نہ آم سا ہے سٹھاس تم میں
نہ تم میں ہے کیوڑے کی سی [illegible]

اب التجا دیئے تھیں
نہ حُسنِ گُل کا ہے تو بس رہ کر دُنیا سے کنارہ کشی کی مثال ہیں
ہیں۔ کہ پانی میں رہ کر اُس کی نمی سے مُتاثر نہیں

۲۔ دلدل سے امرت چھانا گیا۔
پولیس سے

امرت ۔ ۴۔ اس میں
۳۔ سوامی کا انتقال دیوالی کے روز ہوا تھا ؏
۴۔ دیوالی کی ابتدا کیسے ہوئی ؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ ایک
راج کے جھگڑ دل
اُس روز شری رام چندر جی لنکا فتح کر کے اجودھیا
مندر کو سرکاری
۵۔ رشی دیانند سے ؏
سمت سنگ دیگر مقامات پر
۶۔ معرفت کے چراغوں کی قطار
۷۔ سبھی دھرم سماج کے لئے کیا ہو سکتا ہے ؏

اے سعادت دل آریوں کے مٹے ہوئے ہیں

حکمِ استاد پہ سر زیرِ بازو کئے ہوئے ہیں۔

[illegible] نے والے لوگو! ہے سب سے بڑھ کر تمہارا پایہ

بھینٹ اس گورو کی رشی نے جسے جان نذر کرتا تھا

جس کو غفلت رشی نے سر پہ رکھا۔

شاگردی کسی نے سمجھا کہ جن سے گرو کی آنکھوں میں نور جھلکا

ہے اسی پہ قائم ہو جب تلک تم۔ وہ ہم کو فرماں سناتے جانا۔

کہا رشی نے جو اس پہ پیماں۔ وہ ہم کو پیماں سناتے جانا

۱۔ بازو کا تعویذ۔ نہایت پیاری چیز جسے اپنے سے جدا نہ کیا جائے

۲۔ رشی دیانند جب اپنے گورو ورجانند جی سے فارغ التحصیل ہو کر [illegible] انہیں نذر پیش کرنی تھی

گنپت کی سواری ہے چڑھ [illegible] گئی۔ وہی پیش

۱۔ شیت کے بیٹھنے کی جگہ۔ ۲۔ شو کا بت۔ ۳۔ جاگنے [illegible] کے [illegible]

۴۔ خواب کی حالت۔

۵۔ دل پر جہالت کا پردہ ہے۔ عقل سے نہیں دیکھتے۔

۶۔ مجبورات۔

۷۔ گنیش بیٹا ہے۔ شو باپ ہے۔ سواری پر سوار چڑھتا ہے۔ مگر یہاں بیٹے کی سواری نے باپ کی پیٹھ پر زین کس لی ہے مقام حیرت ہے۔

ضمیمہ

گورو کا فر ناشکوں نے / زندوں نے

(دیانند کو تعلیم سے فارغ کر کے رخصت) آپ نے نگاہ دیکھا

اندھیر عالم میں ہے۔ کہ دنیا گئی ہے ویدوں کو بھول یا سن بھنورا

بھٹک گئے سب ہیں راہِ حق سے۔ کہاں

کوئی ہے گدی پہ اپنی نادان۔ بنا کے مٹھ یاں

بنا پہ سب ریت کی کھڑے ہیں۔ ہلا ہلا آتا باتوں

نہ ان کو دنیا کی کچھ خبر ہے۔ نہ ان کو عقبیٰ کا کچھ خطر ہے

خدا و شیطاں کا ڈھونگ رچ کر ہیں کرتے جھگڑے فض

کوئی ہے شہرت پسند ان میں۔ تو غرض کوئی

بمثل ... میں رہ کر دنیا سے کنارہ کشی کی مثال میں

... کہ پانی میں رہ کر اس کی نمی سے متاثر نہیں

۲- دلدل سے امرت چھانا گیا۔

۳- سوامی کا انتقال دیوالی کے روز ہوا تھا۔

۴- دیوالی کی ابتدا کیسے ہوئی؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ ایک

اُس روز شری رام چندر جی لنکا فتح کر کے اجودھیا

۵- رشی دیانند سے ...

۶- معرفت کے چراغوں کی قطار پر

... سبھی دھرم سماج کے لئے کیا ہو سکتا ہے ...

اے سعادت ماں ان پہ۔ ہیں جنڈ پیپل ببول بیٹا!
حکم استاد پوجتا تھے وہ لیونا ہیں
ہے کبیر پوری۔ ٹکا کسی کا اصول بیٹا
می کی۔ کہ اس سے جوال ہیں لاکھ برتر
کے تو وا ننت ہی ہیں چپرتے ہیں لنکے چیرے عقول بیٹا

شاگردی

کسی نے سمجھا کو یہ جو راز تھا سب بتایا تجھکو
ہے اسے وید کا علم تجھ کو بخشا۔ نہ تھا جو سہل الحصول بیٹا
ہے نذر وہ کر۔ جو حسب شان مہر فیض ہو
تو گیان لے کر ہے تو نگ دنیا۔ کروں میں کیونکر قبول بیٹا
[illegible] مجھ کو [illegible] تجھ کو بیغرض ہو
گنپت کی سواری ہے چرمی پیٹھ گئے جسم اسکے دھول بیٹا

۱۔ ثبت کے بیٹھنے کی جگہ۔ ۲۔ شیو کا بت۔ ۳۔ جاگنے کی حا
۴۔ خواب کی حالت۔
۵۔ دل پہ جہالت کا پردہ ہے۔ عقل سے نہیں دیکھتے۔
۶۔ تجھارت۔
۷۔ گنیش بیٹا ہے۔ شو باپ ہے۔ سواری پہ سوار چپڑھتا
ہے۔ مگر یہاں بیٹے کی سواری نے باپ کی پیٹھ پر زین کس لی ہے
مقام حیرت ہے۔

رشی کا یہ کرم ہاتھوں نے
خود رندوں نے

ذ گورو کے فرمان کے جواب میں آپ نفاو یکھا

تمہارا ہر لفظ مجھ کو بھگون! ہزار تفسیر ویدی ہیں بھنورا

وہ پاس ہے اِس سخن کا مجھ کو جی

جو پھول جھڑتے ہیں اُن لبوں سے ہیں باغ عرفاں ...

بسی زباں پر مرے گورو کی، ہمیشہ ... باتوں ...

نہ عوض تعلیم کا ہے ممکن نہ بھینٹ ہے پاس میرے بھگون! ... چار

یہ نذر لو ملک ہے تمہاری۔ جو دل میں تنویر و ...

جو چاہو۔ ہر گنگا ہی کو دیدوا ... سی ... ...

... بس رہ کر دنیا سے کنارہ کشی کی مثال ہیں ... اب التجا دیئے نہیں

... نہیں کرتے ہیں۔ کہ پانی میں رہ کر اس کی نمی سے متاثر نہیں

۲۔ دلدل سے امرت چھانا گیا۔

پولیس کے

۳۔ سوامی کا انتقال دیوالی کے روز ہوا تھا۔

امرت ... ہم ... امر ہیں

۴۔ دیوالی کی ابتدا کیسے ہوئی؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ ایک ... اج کے جھگڑ دل

اُس روز شری رام چندر جی لنکا فتح کرکے اجودھیا ...

... مندر کو سرکاری

۵۔ رشی دیانند سے

... سنگ دیگر مقامات پر

۶۔ معرفت کے چراغوں کی قطار ... سی دھرم سماج کے لئے کیا ہوسکتا ہے

اے سعادت ... ان الٰہی سے لعل و گوہر

حکمِ استاد آنکھوں کو عام تسخیر وید کی ہے

... پنا ہوا ہے۔ جب وید ورد اس کا

... تب ہے جاں ہماری کہ اس میں تاثیر وید کی ہے

شاگردی ... ڑے۔ براگی دُھونی کو راکھ کر دے

کسی نے سمجھا ... کر دوں وہ آگ روشن کہ جس میں تنویر وید کی ہے

ہے ... بنا سبق اہنسا کا جین کو دیں۔

دھرم کے سپنوں میں سب ہیں اُن سے کہوں جو تعبیر وید کی ہے

... بُت وہم کی زمیں سے اُڑا دوں کفراں کے کر کے پرزے

... کہ ان سے تسخیر وید کی ہے

گنپت کی سواری ہے چڑھی بیٹھ ...

۱۔ بُت کے بیٹھنے کی جگہ۔ ۲۔ شو کا بُت۔ ۳۔ جاگنے کی ...

۴۔ خواب کی حالت۔

۵۔ دل پہ جہالت کا پردہ ہے عقل سے نہیں دیکھتے۔

۶۔ تجھارت۔

۷۔ گنیش بیٹا ہے۔ شو باپ ہے۔ سواری پر سوار چڑھا

ہے۔ مگر یہاں بیٹے کی سواری نے باپ کی پیٹھ پر زین کس لی ہے

مقامِ حیرت ہے۔

نگاہ و... ...م ہاتھوں نے

...ورندوں نے

شعاعیں صبح صادق کی ہیں گھر گھر نور سے چھنا آب بقا دیکھا

ہیں باغ و راغ میں یکساں پیام تازگی ... شیریں دہن بھنورا

چمن ... کی دلہن ... قندیلیں

تمام عیش ہیں ...

لقیہ حاشیہ ... صفحہ گذشتہ ... یہ جین دھرم کا سبب (ا) باتوں ...

ہے۔ انہیں خواہ مخواہ کے وہم اور مناقشہ سے آزادی تھیں چاہے

آزاری کی رمز بتاؤں۔ ۵۔ سوامی کی وفات زہر ...

اُن کے جسم پر سارے پھپھولے تھے۔ اتفاق ...

تھی۔ سوامی کے پھپھولے گر ... بھی عرفانگی ... آب بقا دیتے نہیں

اور دُنیا جگر ... دُنیا میں رہ کر دُنیا سے کنارہ کشی کی مثال میں ... اب التجا دیتے نہیں

... پیش کرتے ہیں۔ کہ پانی میں رہ کر اُس کی نمی سے متاثر نہیں

۲۔ دلدل سے امرت چھانا گیا۔

... پیش کیے

۳۔ سوامی کا انتقال دیوالی کے روز ہوا تھا۔

امرت ... ۳۔ امن ہیں

۴۔ دیوالی کی ابتدا کیسے ہوئی؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ ایک ... ناچ کے جھگڑے دل

اُس روز شری رام چندر جی لنکا فتح کر کے اجودھیا ...

... مندر کو سرکاری

۵۔ رشی دیانند سے۔

... سنگ دیگر مقامات پر

۶۔ معرفت کے چراغوں کی قطار ...

... کسی دھرم سماج کے لئے کیا ہو سکتا ہے۔

اے سعادو ... زبان رہا ذوق کیا تماشا ہے
حکمِ استاد ... ابھی تڑکے بانگ دینا ہے
... اپنا ... چاند کی کرنیں۔
... نب ... اند کی کرنیں۔
... ٹے ... گر حسن نہ رہا ہیں ہوتی چاند کی کرنیں۔

شاگردی ...
کسی نے سمجھا ... یں کیا آسماں کا منہ ہیں دھوتی چاند کی کرنیں
ہے اسے لے دل یہ ہے کچھ شبت الوکھی کیفیت اسکی
... دھرم ... کچھ چشم غلط ہیں کو صفت اسکی
اجڑ وہم کی زمیں ہیں دیکھا اکھ آنکھوں نے
... اسنے
...
گنپت کی سواری ہے چڑھی پیٹھ ... مشتاق

۱۔ شبت کے بیٹھنے کی جگہ۔ ۲۔ شو کا بت۔ ۳۔ جاگنے کی ...
۴۔ خواب کی حالت۔
۵۔ دل پر جہالت کا پردہ ہے۔ عقل سے نہیں دیکھتے۔
۶۔ تجھارت۔
۷۔ گنیش بیٹا ہے۔ شو باپ ہے۔ سواری پر سوار چڑھتا ہے۔ مگر یہاں بیٹے کی سواری نے باپ کی پیٹھ پر زین کس لی ہے مقام حیرت ہے۔

لطافت کو بہت پرکھا۔ کسی کے نرم ہاتھوں نے
سکھایا خوب عرفاں کا سبق پیروں کو رندوں نے
کسی نے یوں نہ جوہر سے چھنا آب بقا دیکھا
ہوا ان پتیوں کی رس سے جوں شیریں دہن بھونرا
تھیں جگمگ کر رہی گھر گھر میں دیوالی کی قندیلیں
بچھائے تھی زمیں ہند آنکھیں رام کی رہ میں
کئی دل ہو چکے نور آشنا تھا ان باتوں سے
ہزاروں خوش نصیبوں نے رشی سے کی تھیں چار
مگر محفوظ تھی اب تک نگاہ آخری اس رشی کی
کسی کے دل میں ہوتی اس سے تھی عرفان کی تو آب بقا دینے نہیں
اب التجا دینے نہیں

۱۔ عارف لوگ دنیا میں رہ کر دنیا سے کنارہ کشی کی مثال میں کوشش کرتے ہیں۔ کہ پانی میں رہ کر اس کی نمی سے متاثر نہیں
پتیوں سے
۲۔ دلدل سے امرت چھانا گیا۔
۳۔ سوامی کا انتقال دیوالی کے روز ہوا تھا۔
امرت ... امر ہیں
۴۔ دیوالی کی ابتدا کیسے ہوئی ؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ ایک ... راج کے جھگڑ دل
اس روز شری رام چندر جی لنکا فتح کر کے اجودھیا پہنچے ... مندر کو سرکاری
۵۔ رشی دیانند سے ... امرت سنگ دیگر مقامات پر
۶۔ معرفت کے چراغوں کی قطار ... سی دھرم سماج کے لئے کیا ہو سکتا ہے۔

ہوئی حربا کی گو نورِ سحر سے آنکھ نورانی۔
کبک گو لمحہ بھر کو بن گئی مہتاب کی رانی۔

تھا بھنورے کے لئے آبِ بقا گو پھول کا پانی
کیا ذوقِ حلاوت نے اُسے اے آہ! زندانی

نہ پائی وہ چمک صادق! کسی مشتاقِ فرحت نے
لگایا آخری سے جو ضیا پائی گورو دت نے

۱۔ بھنورا شام تک کنول کا رس چوستا رہتا ہے۔ شام کو کنول بند ہو جاتا ہے۔ تو بھنورا بھی لذت میں مست اجر و ہم ی پھول میں قید ہو جاتا ہے۔

گ... دت ایم۔ اے سوامی جی کے انتقال کے وقت
۱۔ ...ثبت کا بیٹا تھا۔ سوامی کے مرنے نے اُس کو جگا دیا۔
۲۔ خواب کی حالت ...ستی کا قائل ہوا۔ اور لگا وید پڑھنے
۳۔ دل پر جہالت...
۴۔ نجھارت...
۵۔ گنیش بیٹا ...
۶۔ مگر یہاں بیٹے کی ...
مقام حیرت ہے۔

ویدوں کا شکریہ

پڑے تھے الماریوں میں ہم کوئی پرسان نہ تھا … نام لیتے - پر نہ کوئی کھول کر تھا دیکھتا
معنے پنہاں ہے ہوتے کیا محقق آشنا … رام موہن رائے نے ہنس وید اپنشد کو کہہ گیا

جہل کا مخزن کوئی کہتا - کوئی ظلمت کی کان
ہو بھلا تیرا کیا تو نے ہمیں حکمت کی کان

سوامی مقرر

رشیوں کا شکریہ

یوگ سے تیرے ہوا پھر زندہ پتنجلی کا نام … آکے کلجگ میں کیا تو آب بقا دینے نہیں

۱۔ لالہ لاجپت رائے نے اپنے تصنیف کردہ سوامی جی کے جواب التجا دیے نہیں
تحریر کیا ہے۔ کہ ایک دفعہ راجہ رام موہن رائے بانی برہمو سماج
زبانوں کے اعلیٰ پایہ کے عالم تھے۔ وید مانگے گئے۔ آپ نے
۲۔ غلط تفسیروں نے وید کا پایہ بہت گرایا تھا۔ پلیس سے
رشیوں کی پیروی کرتے ہوئے پرماتما کے بخشے علم کو سدا ورت - ۴ - اس ہیں
سماج کے جھگڑے دل
۳۔ ریاضت ::
۴۔ علم ریاضت کا ماہر۔ یوگ - تپتوں مندر کو سرکاری
پتنجلی منی :: … ی سدرنت سنگ دیگر مقامات پر
۵۔ سانکھیہ درشن کا مصنف۔ سبھی دھرم سماج کے لئے کیا ہو سکتا ہے ::

تیرے لب سے جیمنی کا پھر ہوا جاری کلام
دیاس اور گوتم ہوئے تیری زبان سے تازہ کام

رام کی جاری کرائی تُو نے سچی آستی

مرتبہ پر اپنے آئی ستر خرد گیتا ہوئی

سب مل کر نذر نیاز لائے ہیں

چاہتے ہیں ہم کہ تجھ سے تو صیف تیری بیاں
بڑھ نہ جائیگا ترا کچھ شکر لیں سے امتیاز

سال کو لازم ہے مگر نذر نیاز
کر قبول اسکو ہے گو لوگوں سے بھی کم اپنا نیاز

۱۔ جیمنی۔ پورو میمانسا درشن کا مصنف۔ ۲۔ ویدانت شاستر کا مصنف

اجر دہم کی ... نیائے شاستر کا مصنف۔ ان سب رشیوں کا کلام سوامی کے

... چلتا ہے۔

اگر تب تک رام کو پرماتما کا اوتار کہتے تھے۔ رام کی توہین ہوتی

پرماتما ہو کر رام جیسی زندگی گذارنا کوئی بڑائی کی بات نہیں۔

ا۔ تثبت کمالی کے پایہ سے گرنا ہے۔ سوامی نے رام کو مہا پرش بتایا

۴۔ خواب کی حالت [illegible] روشن ہوئی۔

۵۔ دل پر جہالت کثیف۔ ایسے لوگ وید سے بڑھکر پک مانتے تھے۔

۶۔ کمبھار ستر بانی تصنیف بتا کر اس کا بہت اعزاز کرایا۔

۷۔ گنیش بیان [illegible] نہیں۔

۸۔ مگر یہاں بیٹے کی سم [illegible] بھینٹ۔

مقام حیرت ہے۔ [illegible] جو نکی بھینٹ بیشی کی تھی۔ دیکھو بھینٹ کے ونگ ص

Champat

رانڈوں کی آہوں میں لاتے ہیں یتیم آنسو پر وہ
وید پڑھکر پیش کرتے ہیں اچھوت اس ہار کو

فریاد

اے کہ تھا تو ناتھ اناتھوں کا یتیموں کا پدر
آہوں سے بیواؤں کی چھلنی رہا تیرا جگر

سہہ نہ سکتا تھا رہیں انسان کتوں سے بتر
بیزبانوں کی زبان تھا بھوکے بھوکوں کا مقر

کچھ پتہ ہے تجھکو ؟ ہیں پیرو ترے کس حال میں
موت بنکر آج ہے گھیرے ہوئے غفلت انہیں

یہ ترے بیمار بچوں کو دوا دیتے نہیں
بیکسوں کو بھی نواب بقا دیتے نہیں

آہ کیا بیدرد ہیں منہ سے دعا دیتے نہیں
چارہ گر ہیں اور جواب التجا دیتے نہیں

اور کیا ہوگا اندھیر اس کالے گردوں کے تلے
دیو کے مندر پہ پہرے لگ گئے پولیس کے

۱۔ بے کسوں کا مالک ۔ ۲ جانے قرار ۔ ٹھکانہ ۔ ۳ ۔ امرت ۔ ۴ ۔ امن ہیں،
بھلا کیا تکلیف بڑھ سکتی ہے ؛ ۵ ۔ سنہ ۱۹۱۸ء کے لاہور سماج کے جھگڑہ دل
میں آریہ سماج کے مندر پر پولیس کا پہرہ لگ گیا تھا ۔ مہینوں مندر کو سرکاری
تالہ لگا رہا ۔ دونوں فریق اپنا ہفتہ واری ست سنگ دیگر مقامات پر
کرتے رہے ۔ اس سے زیادہ شرم کا مقام کسی دھرم سماج کے لئے کیا ہو سکتا ہے ؛

کونسی بدلی میں تو اے مہر[1] کامل! چھپ گیا
ہم سے بھی بڑھکر کوئی تھا تیرگی میں مبتلا؟
لمحہ[2] انگن آج ہے کس لوک[3] میں تیری ضیا[4]؟
دیپ[5] لا کے ہی دن گھر اندھیرے[6] میں رہا

اے الیم سوز غیر! اسباب ہیں پھر سوز کے
ڈالب مکتی ہے کیا؟ مکتی نہیں تیرے لئے

آ جل اے شمع ہدایت! پھر اسی محفل میں جل
اس اندھیری[11] شب اجڑی ہوئی منزل[10] میں جل
رات کے پردے میں جل تیرہ زمیں کے دل میں جل
دیدۂ خورشید میں چشم مہ کامل میں جل

ہاں جل اے مہر[12] صفا! پھر ستیہ[13] کا پرکاش کر
پھر ہمارے جہل کا نورِ صفا سے ناش کر

۱- پورا سورج - ۲- یہیں سب سے زیادہ روشنی کی ضرورت تھی -

۳- جھلکا ڈالنے والی - ۴- طبقہ - ۵- روشنی -

۶- سوامی کا انتقال دیوالی کے دن ہوا تھا +

۷- پرایوں کی جلن سے غمگین - دوسروں کے دُکھ سے دُکھی -

۸- تو نجات چاہتا ہے - تیرا خیال ہے - کہ پھر جنم میں نہ آئے - اب ہونا ناممکن ہے - دنیا کو تیری پھر ضرورت ہے - تو پھر جنم لے +

۹- ڈراؤنی - ۱۰- مکان -

۱۱- اندھیری -

۱۲- پاکیزگی کا سورج -

۱۳- سچ کو ظاہر کر - ستیارتھ پرکاش سوامی کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے -

پھر یتیموں کیلئے[1] پیغامِ رحمت بن کے آ
پھر انا تھوں[1] کے لئے[2] پیمانِ شفقت بن کے آ
پھر اچھوتوں کے لئے سامانِ عزت بن کے آ
بے نواؤں کے لئے پھر خوانِ نعمت بنکے آ۔

وید[3] کی تفسیر ادھوری ہے اسے پورا بھی کر
مُدعی کی بات کو سچا بھی کر جھوٹا بھی کر

رشی! تیری لاج!

ترے حضور میں آنے کے ہم نہیں قابل
تجھے رُخ اپنا۔ دکھانیکے ہم نہیں قابل
ہے حالِ زار سُنانیکے ہم نہیں قابل
جو بیتی ہم پہ۔ بتانیکے ہم نہیں قابل

ہے جب سے چھوڑا تجھے۔ اعتبار کھویا ہے
بھٹک بھٹک کے سراسر وقار کھویا ہے

۱۔ بیکس لوگوں کے لئے ٭

۲۔ مہربانی کا وعدہ ٭

۳۔ سوامی جی یجر وید کی مکمل اور رگ وید کی نصف سے کچھ زیادہ تفسیر کر پائے تھے۔ کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ وید کی تفسیر باقی رہ گئی۔ اُن کے بعد دوسرے پنڈتوں نے وید کے مختلف حصوں کی تفسیر کی ہے۔ لیکن رشی کی تفسیر سی بات اُن میں کہاں ٭

کہاں وہ عزم اعرب[1] میں ہون پہ جائینگے — صدائے اوم[2] سے ہم روم[3] کو گونجائینگے
پیام لیکے ترا چین و شام جائینگے — جو ہم نے دیکھا ہے آفاق[4] کو دکھائینگے

عطائے[5] عام کی صورت تھا تیرا دروازہ
یہ دیکھ ہم نے ہے اس پہ لگا دیا پہرہ

سمجھائے تھے ہم آگ یاں خصومت کی — ہون[6] سے لائی ہمیں بارشیں تھیں رحمت کی
ہمیں جلاتی تھی یاں سم درد آتش[7] کی — اکھیڑتی ہمیں عالم سے جڑ تھی نفرت کی

سماج میں ہمیں لاتے تھے گبرو عیسائی
کئے سماج بدر[8] ہم نے آریہ بھائی

۱۔ جنگ یورپ میں آریہ سپاہیوں نے میسوپوٹیمیا میں آریہ مندر بنوایا تھا۔ کسی طرح آریہ دھرم وہاں پہنچا تو سہی ٭

۲۔ پرماتما کا اسم اعظم۔

۳۔ اٹلی کا دارالخلافہ۔ یہاں عیسائی مذہب کا مرکز رہا ہے۔ سینٹ پال کا بڑا گرجا یہیں ہے ٭

۴۔ ساری دنیا۔ زمانہ۔ اطراف۔

۵۔ دعوت عام۔ تیرا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا رہتا۔ یہ دعوت عام کی تصویر تھا۔ پہرے کے لئے دیکھو نوٹ صفحہ نذر نیاز

۶۔ ہون کا ایک فائدہ بارش ہے۔ ۷۔ آتش پرست۔

۸۔ یہ ظلم بھی ۱۹۱۰ء تک لاہور آریہ سماج کے جھگڑوں میں ڈھایا گیا۔

ہم اُن پہ جال کبھی حرص کا بچھاتے ہیں ¹ مقدموں کی کبھی زد میں انکو لاتے ہیں
ہمیشہ خوف انہیں پولیس کا دکھاتے ہیں قیامتیں کالی دکھا کر انہیں ڈراتے ہیں۔

ہے ستھان ² کالی کا یا ہے سماج کا مندر؟
بنا ہے بنگلہ پولیس کا نرا مندر

کسی نے ہم کو کہا تخت و تاج سے باغی کسی نے دی ہمیں تہمت ہیں راج سے باغی
نہ ہم خراج سے باغی نہ ہیں تاج سے باغی ہوئے جو باغی تو کس سے ؟ سماج سے باغی ³
جہاں سے ڈر کے ترے پاک نام کو چھوڑا
کہا تھا کام نہ چھوڑینگے کام کو چھوڑا۔

نرا یہ حکم نہ پروائے مال و جاہ کریں۔ نرا اصول کہ جاندار کا رفاہ کریں۔
ہم اپنا جنگ و جدل سے ہی گھر تباہ کریں جو اپنے جیری ہیں اوروں سے کیا نباہ کریں

۱۔ یہ سب معاملات لاہور آریہ سماج کے جھگڑے میں ہوتے رہے۔
۲۔ کالی دیوی کا استھان۔ کالی کا چڑھاوا خون ہے۔ گوشت ہے شراب ہے۔ یہ قول خواہ دیوی ہے ٭
۳۔ آریہ سماج پر بغاوت کا الزام کئی کوتہ فہموں کی مہربانی سے لگا تھا۔ بعد میں خود بخود شبہوں کے بادل اُٹھ گئے۔ گورنمنٹ کی رپورٹوں اور افسروں کے نوشتوں میں آریہ سماج کے فہمیدہ اور امن پسند جماعت ہونے کا اعتراف ہوتا رہا۔ ۴-۵-۶- محصول ٭

ترا یہ خاصہ بنا لینا دوست دشمن کو

ہمیں کمال لڑانے میں چولی دامن کو[1]

جو دل میں بات ہے مخفی بتا نہیں سکتے جو راز سینے میں ہے لب پہ لا نہیں سکتے

جگر پہ داغ ہیں پیارے دکھا نہیں سکتے مگر تو سوامی ہے تجھ سے چھپا نہیں سکتے

جو ہم سماجی ہیں تحصیل مدعا[2] تک ہیں

ترے تو نام کے دشمن ہیں تیرے گھاتک[3] ہیں

یہ سچ ہے ہم نے ڈبویا ہے نام ویدوں کا سنا یا سب کو الٹ کر پیام ویدوں کا

زباں پہ ذکر ہے گو صبح و شام ویدوں کا ہے بات حق کی نہیں کوئی کام ویدوں کا

نہ تھے یہ سچ ہے نہ تھے ہم عروج کے قابل

زہے نصیب[4] اکہ ہم ہو گئے ترے قابل

جنم ہی جب تجھے ہندوستاں میں لینا تھا اسی گھڑی اسی میلے مکاں میں لینا تھا

۱۔ چولی دامن کا ساتھ نہ ٹوٹنے والا ساتھ ہے۔ مگر ہم اُسے بھی توڑ دیتے ہیں۔ عداوت پیدا کرنے میں اُستاد ہیں۔

۲۔ مطلب کے حاصل کرنے تک۔

۳۔ قاتل۔

۴۔ ہماری خوش قسمتی تھی کہ تجھ جیسا رشی ہمیں ملا۔

ہمارے گھر کو جب اوجِ[1] جہاں میں لینا تھا ہمیں پھر اپنی ہی گودِ اماں میں لینا تھا
ہماری کیا؟ تجھے آج اپنی لاج رکھنی ہے
یہ تیری شان ہے شانِ سماج رکھنی ہے

ترا پیام جہاں میں بلند ہوتا ہے ترا کلام جہاں میں بلند ہوتا ہے
یہ پاک نام جہاں میں بلند ہوتا ہے رشی کا کام جہاں میں بلند ہوتا ہے
مٹا! مٹا!! ہمیں اے آسماں! مٹا دے تو
نہیں یہ سہل رشی کا نشاں مٹا دے تو

میرے سوامی کی شان!

میرے سوامی! شان تیری کیا سے کیا ہو جائے گی
ہے کرامت آج کل تک معجزہ ہو جائے گی
رامؔ کے بھگتوں نے دیکھا ہے تجھے بن باس میں
پھر وہی جنگل کی جاری جاترا ہو جائیگی

۱- ہندوستان کو ہی جب اپنی پیدائش کا فخر بخش کر بہشت کا ہمسر پلّہ کرنا تھا - اوج کے معنی بلندی ⁘ ۲- آسمان ⁘

۳- تیری رام چندر جی کی عظمت اُن کا کڑا بن باس ہے - آپ چودہ برس

سر بسر[1] تفسیر گیتا کی ہے۔ پیارے کی حیات
مرنے[2] والوں کو یہ تدبیر بقا ہو جائیگی

سونگھ[3] کر وحدانیت کی بو ریاض ہند میں۔
مولوی مسلم کو مکہ دوسرا ہو جائیگی

پہنچ[4] کر بیت المقدس میں مسیحائی تیری
اہل عیسیٰ کو ہنسا ابن خدا ہو جائیگی۔

راجپوت[5] ایثار میں پرتاپ پائیں گے تجھے
مرہٹوں کو ہستی تیری شِوا[6] ہو جائیگی

بقیہ صفحہ گذشتہ ۱۳۹ - جنگلوں میں رہے - دیانند اٹھارہ برس - آرام جی نے رشیوں منیوں سے لابھ اٹھایا - تو سوامی نے بیسیوں سادھوؤں کے چرن چھوئے - رام نے راون کو فتح کیا - سوامی نے توہمات کا قلعہ ڈھایا۔

۱- گیتا کا فلسفہ ہے۔ بیغرض عمل - دیانند اس کا نمونہ تھے۔

۲- مرتے وقت گیتا کا پاٹھ کرتے یا کراتے ہیں - اس میں مکتی مانتے ہیں دیانند کی تقلید جیون مکتی ہے۔

۳- حضرت محمدؐ کا معجزہ اُن کی وحدانیت کی تعلیم ہے دیانند وحدانیت خدا کا کامل واعظ

۴- خداوند مسیح پرماتما کا بیٹا ہے - جناب دیانند سب کو خدا کا بیٹا ٹھہراتے ہیں فرزندی سعادت مندی ہے۔

۵ و ۶ - پرتاپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے - شواجی مرہٹہ سلطنت کا بانی تھا۔

105 से 140 तक पेज फटे हैं

عورتوں کی بے حرمتی ...

ہاتھ آئیں۔ سپاہی عصمت کا سبو

۱۔ مہاتما بدھ

ہو

بچے

۲۔ گور



74